ماہ نامہ
ہمدرد
نونہال
جولائی ۱۹۸۴ء

آوازِ اخلاق وقت ایسی زمین ہے جس میں محنت کے بغیر کچھ نہیں پیدا ہوتا!

ٹیلے فون: 616001 سے 616005 (۵ لائنیں)

شوال — ۱۴۰۴ ہجری
جولائی — ۱۹۸۴ عیسوی
جلد — ۳۲
شمارہ — ۷

قیمت: ۳/۰۰ رپے
سالانہ: ۳۰/۰۰ رُپے
سالانہ (رجسٹری سے) ۶۶ رُپے

پتا: ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ
ناظم آباد۔ کراچی ۱۸

★

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرّت کے لیے شائع کیا

اس رسالے میں کیا کیا ہے

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں اُن کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حُرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اس رسالے کی تمام کہانیوں کے کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ ان میں سے کسی کی کسی حقیقی شخص یا واقعے سے مطابقت محض اتفاقی ہو سکتی ہے، جس کے لیے ادارہ ذمّے دار نہ ہو گا۔

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعاتِ ہمدرد ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸ سے شائع کیا۔

جاگو جگاؤ

کسی نونہال اور بڑی عمر کے آدمی کے لیے سب سے بڑی عزت یہ ہے کہ وہ شریف ہو۔ شرافت کسی ایک صفت کا نام نہیں بلکہ اس میں کئی صفتیں شامل ہیں۔ کسی نونہال کے شریف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تمیز ہو، وہ ماں باپ، استادوں اور بڑی عمر کے آدمیوں کا ادب کرے، جھوٹ نہ بولے، فساد نہ کرے، غلط کام نہ کرے، صاف ستھرا رہے۔ اس کو دوسروں سے بات کرنے، ان کے ساتھ مِل بیٹھنے اور کھانا کھانے کا سلیقہ ہو۔ وہ ایسا لڑکا ہو، جس پر اعتبار کیا جا سکے، وہ اپنا کام بڑی فکر سے کرتا ہو۔ ان سب اچھی باتوں کے مجموعے کو شرافت کہتے ہیں۔

آپ نے یہ کہاوت سُنی ہوگی کہ اگر دولت کھو جائے تو سمجھو کہ کچھ نہیں کھویا۔ اگر صحت کھو جائے تو سمجھو کہ آدھی پونجی کھو گئی اور اگر کردار یا شرافت کھو جائے تو سمجھو کہ سب کچھ کھو گیا۔

شرافت کے دنیا میں بھی فائدے ہیں اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں شریف آدمی کی عزت ہوتی ہے، اس پر بھروسا کیا جاتا ہے اور اس کو ذمّے داری کا کام سونپا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ ترقی کے زینوں پر چڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف کوئی شخص بھی بدتمیز اور منھ پھٹ آدمی کو پسند نہیں کرتا، یہاں تک کہ اس کے ماں باپ اور اُستاد بھی اس سے خوش نہیں ہوتے۔

بہترین اخلاق، بہترین آداب اور شرافت سیکھنے کا بہترین وقت بچپن ہوتا ہے۔ بچپن میں جو عادت پڑ جاتی ہے وہ عمر بھر رہتی ہے۔ جو نونہال ترقی کرنا چاہتے ہیں اور عظیم آدمی بننا چاہتے ہیں اُنھیں چاہیے کہ وہ ابھی سے بہترین اخلاق پیدا کریں۔ اسی سے ان کی ترقی ہوگی، اسی سے وہ اپنا نام بھی پیدا کریں گے اور اپنی قوم و ملّت کے نام کو بھی چار چاند لگائیں گے۔ شرافت ایک ایسی دولت ہے جسے ہر دوسری دولت پر برتری حاصل ہے۔

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

نونہالوں کو عید کی خوشیاں مبارک ہوں۔ نونہالوں کے بزرگوں کی خدمت میں بھی ہمدرد نونہال کے تمام کارکنوں کی طرف سے عید کی مبارک باد پیش ہے۔

یقین ہے کہ نونہال اپنی اپنی نئی کلاسوں میں نئے جذبے اور اپنے نئے ساتھیوں کے ساتھ تعلیم میں مصروف ہوگئے ہوں گے۔ بہت سے ساتھیوں کے ساتھ بہت سے استاد بھی نئے ہوں گے۔ استاد کا احترام تو ہر نونہال کا فرض ہے۔ علم اُسی وقت حاصل ہوتا ہے جب استاد کی عزت دل و جان سے کی جائے۔

عید آپ کے لیے ایک خوشی اور لائی ہے۔ اور وہ ہے خاص نمبر کا اعلان۔ خاص نمبر کے لیے اتنے تقاضے ہو رہے ہیں کہ ہمیں ہمت کرنی ہی پڑی۔ اِن شاءاللہ ستمبر ۱۹۸۴ء کا شمارہ خاص نمبر ہو گا۔ ہم تیاری شروع کر رہے ہیں اور کوشش یہ ہو گی کہ یہ نمبر واقعی خاص ہو۔ آپ جلدی سے بتائیے کتنے صفحات ہوں اور کتنی قیمت ہو۔

"دو مسافر دو ملک" کا سلسلہ دو مہینے تک رُکا رہا۔ نونہال بہت ناراض ہوئے۔ ان کا اعتراض بھی صحیح تھا کہ ادھورا سلسلہ کیوں چھوڑ دیا، لیکن ہوا یہ کہ میں ہندُستان کے سفر پر چلا گیا۔ خیال تھا کہ وہاں سے لکھ کر بھیج دوں گا، لیکن مصروفیت میں یہ ممکن نہ ہوا۔ بہرحال اس شمارے میں اس کی قسط پڑھیے۔ بس اب یہ سلسلہ ختم ہی ہوا چاہتا ہے۔ اصل میں یہ تو نونہالوں نے ہی لکھوایا ہے، ورنہ میرا ارادہ تو کُل ایک دو قسطیں لکھنے کا تھا۔ خیر یہ تو اب پوری کتاب ہو گئی۔

آپ کے خط ہم بڑی دل چسپی سے پڑھتے ہیں، لیکن اتنے خط آتے ہیں کہ آدھے چوتھائی بھی شائع نہیں کر سکتے، اس لیے اپنے خطوں میں پتا ضرور لکھیے۔ بلکہ ہر تحریر کے آخر میں پورا نام پتا لکھ دیا کیجیے۔ لفافے پر اپنا پتا لکھنا کافی نہیں ہوتا۔ لفافہ الگ کر دیا جاتا ہے۔ خط میں پتا ہو اور ضروری ہو تو ڈاک سے بھی جواب دیا جا سکتا ہے۔ یوں بھی آپ جب کسی کو خط لکھیں تو اپنا پتا ضرور لکھیے۔

کم کھائیے

حکیم محمد سعید

ہمارے دَور کے صحت کے مسئلے بہت اُلجھے ہوئے ہیں اور انسانی صحت گرتی جا رہی ہے۔ اس کے کئی سبب ہیں، مثلاً غذائیت کی خرابی، کیمیائی اجزا کے زہریلے اثرات، لگی بندھی مشینی زندگی، غیر محفوظ ہونے کا احساس وغیرہ۔ ان سے نجات کے لیے صحیح حل کی تلاش ضروری ہے۔ انسان کی زندگی اور صحت کے لیے غذا بے حد ضروری ہے۔ قرآن مجید کا حکم ہے کہ "کھاؤ، پیو، مگر حد سے نہ بڑھو، حد سے بڑھنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔"

اسلام کھانا پینا چھوڑنے کا حکم نہیں دیتا، لیکن اسے حد میں رکھنے کی ہدایت ضرور کرتا ہے۔ میں اس سلسلے میں ایک حدیث شریف پیش کرتا ہوں جس کا مطلب یہ ہے کہ "پیٹ بھر نہ کھاؤ اور کھانے پر کھانا نہ کھاؤ اس لیے کہ یہی ہر مرض کا سبب ہے۔" ایک اور حدیث ہے کہ "ہم وہ لوگ ہیں کہ جب تک بھوک نہیں لگتی نہیں کھاتے اور جب کھاتے ہیں تو پیٹ بھر کر نہیں کھاتے۔"

یہ بات آج بھی سچ ہے کہ زیادہ کھانے سے انسان کو بیماریاں گھیر لیتی ہیں۔ بلکہ ایسی بیماریاں لگ جاتی ہیں جن سے صحت ہی تباہ نہیں ہوتی بلکہ زندگی بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا کہ "جس کا کھانا کم ہو گا اس کا معدہ درست ہو گا اور جس کا کھانا زیادہ ہو گا اس کا معدہ خراب ہو گا اور دل سخت ہو گا۔" گویا کم کھانے والے کا دل صاف ہوتا ہے اور زیادہ کھانے والا سنگ دل ہوتا ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ جب اسلام پھیلا اور عرب اور دیگر علاقے ایک دوسرے کے قریب آئے تو اور باتوں کی طرح کھانے پینے کی عادتیں بھی بدل گئیں۔ سیدھی سادی غذا ترک ہوئی۔ قدیم زمانے کے عرب ۲۴ گھنٹوں میں صرف دو وقت (صبح و شام) کھایا کرتے تھے، بلکہ عام طور پر دن میں ایک وقت کا کھانا ہی کافی سمجھا جاتا تھا۔ اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے کہ "ان (جنت والوں) کا رزق انھیں مسلسل صبح و شام ملتا رہے گا۔" ہمارے بزرگوں کے خیالات سے بھی کم کھانے کے فائدے

ظاہر ہوتے ہیں۔

امام غزالیؒ نے اپنی مشہور کتاب "احیاء العلوم" میں لکھا ہے کہ کم کھانے سے بیماریاں دُور ہوتی ہیں اور آدمی تن درست رہتا ہے۔ ایک اور بزرگ اصمعی نے بھی بڑے پتے کی بات لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں، "میں نوّے سال کا ہو چکا ہوں، لیکن نہ تو میرا دانت گرا ہے نہ میرے اعصاب الجھن اور پریشانی کا شکار ہوئے ہیں، نہ کبھی کان اور ناک کا مرض پیدا ہوا، نہ آنکھوں کی بیماری ہوئی۔ اس کی صِرف اور صِرف ایک وجہ ہے اور وہ ہے کم کھانا۔"

حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں، "اللہ کی قسم کوئی قوم ایسی نہیں ہے کہ جو بسیار خوری (زیادہ کھانا) میں مبتلا ہوئی ہو اور اس کی عقل رخصت نہ ہوئی ہو۔"

حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں، "بسیار خوری سے بچو اور کھانے پینے میں بے اعتدالی سے پرہیز کرو، اس لیے کہ اس سے جسم میں وہ فساد ہوتا ہے جو بیماریوں کا سبب ہوتا ہے۔ زیادہ کھانے سے انسان نماز سے غافل ہو جاتا ہے۔ کھانے پینے میں اعتدال ہی سے جسم میں توازن رہ سکتا ہے۔"

آج ہمارے پیارے وطن میں بیماریوں کا زور ہے۔ غریبی ہے۔ اخلاق تباہ ہو رہے ہیں۔ انھیں درست کرنے کی بہترین تدبیر یہی ہے کہ ہم کھانے پینے کے ان سادہ اصولوں پر عمل کریں جو قرآن اور حدیث کی روشنی سے ہمیں ملتے ہیں۔ غذا کی کمی یا اس کے اعتدال سے صِرف جسمانی صحت ہی بہتر نہ ہو گی بلکہ اس سے ہمارے اخلاق، نفسیات اور مالی حالات پر بھی بڑے اچھے اثرات پڑیں گے۔ ضرورت سے زیادہ کھانا چھوڑ کر ہم ان لوگوں کا پیٹ بھر سکیں گے جو غذا سے محروم ہیں۔ اخلاقی اعتبار سے ہم بے حسی اور خود غرضی سے نجات پائیں گے۔ ہمارا دل اللہ کی طرف جُھکے گا اور ہم بھائی چارے کے جذبے کے ساتھ اپنے ملک کی مالی حالت کو بہتر کر سکیں گے۔ یہ ایک نہایت اہم تبدیلی ہو گی اور اس سے ہمارا ملک مضبوط ہو جائے گا۔ جدید طِب اور سائنس بھی زیادہ کھانے کو نقصان دہ اور کم خوری کو صحت اور زندگی کے لیے مفید سمجھتی ہے۔ اگر ہم تین یا چار وقت کے بجائے دو وقت کھائیں یعنی صبح اچھا ناشتہ کریں اور شام کو کھانا کھائیں تو بیماریوں سے محفوظ رہیں گے، ہماری صحت اچھی ہو گی، ہم زیادہ چُستی اور مستعدی سے کام کر سکیں گے۔ اُس سے ہمارا ذاتی فائدہ بھی ہو گا اور ملک و ملّت کی زیادہ اچھی خدمت کر سکیں گے۔

اپنی عادتوں میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے ہم ملک میں صحت بخش انقلاب لا سکتے ہیں۔

سُورج

فیض لودھیانوی

کوئی پھسل رہا ہے	کوئی سنبھل رہا ہے
دن رات کا یہ چکّر	صدیوں سے چل رہا ہے
سورج نکل رہا ہے

پَو پھَٹ گئی، اندھیرا	دُنیا سے ٹل رہا ہے
مشرق سے روشنی کا	چشمہ اُبل رہا ہے
سورج نکل رہا ہے

سُرخی لیے اُفق پر	گولا سا جَل رہا ہے
گرمی سے سیکڑوں مَن	سونا پگھل رہا ہے
سورج نکل رہا ہے

تارے گئے، جہاں کا	نقشہ بدل رہا ہے
بیدار ہو کے انساں	آنکھوں کو مَل رہا ہے
سورج نکل رہا ہے

دریا کا قطرہ قطرہ	موتی اُگل رہا ہے
کرنوں کے چُومنے کو	پانی اُچھل رہا ہے
سورج نکل رہا ہے

گلشن کا غنچہ غنچہ	کِھل کر مَچل رہا ہے
شبنم کا غم کے مارے	سینہ دہل رہا ہے
سورج نکل رہا ہے

اے فیض دانہ دانہ	سانچے میں ڈھل رہا ہے
اس دھوپ کی بہ دولت	ہر کھیت پھل رہا ہے
سورج نکل رہا ہے

* حضور اکرمؐ

مسلمانوں کی آپس کی رنجش کا خاتمہ سلام ہے۔

* حضرت عیسیٰؑ

بدن کا چراغ آنکھ ہے۔ اگر آنکھ درست ہو تو سارا بدن روشن رہے گا۔

مرسلہ: فرح نذر، لاہور کینٹ

* حضرت عائشہ صدیقہؓ

سچائی کی مشعل جہاں بھی دکھائی دے، اس سے فائدہ اُٹھا۔ یہ نہ دیکھ کہ مشعل بردار کون ہے۔

مرسلہ: شادماں نفیس، کراچی

* حضرت عمر فاروقؓ

ظالموں کو معاف کر دینا، مظلوموں پر ظلم کرنا ہے۔

مرسلہ: محمود ہارون چھوٹانی، رامسوامی

* حضرت علیؓ

دیدہ و دانستہ غلطی قابلِ معافی نہیں ہوتی۔

مرسلہ: سید محمد انصر شاہ، لودھراں

* حضرت عبداللہ بن مبارکؒ

کوئی شخص عالم نہیں ہو سکتا جب تک اس کے دل میں خوفِ خدا اور دنیا سے بے رغبتی نہ ہو۔

* حضرت حسن بصریؓ

عقل مند سوچ کر بولتا ہے اور بے وقوف بول کر سوچتا ہے۔

* بابا فریدالدین گنج شکرؒ

دشمن کو دل کی مہربانی اور ہمدردی سے جیتو اور دوست کو نیک سلوک سے۔ مرسلہ: سید عاصم رضا شاہ، ٹنڈو الیار

* حضرت ابوالحسن خرقانی

اللہ کی دوستی اُس کے دل میں نہیں ہوتی جس کو مخلوق سے محبت نہ ہو۔ مرسلہ: مہربان اعظم، ڈیرہ اسماعیل خان

* مارک ٹوئن

صرف انسان ہی وہ مخلوق ہے جسے شرم و حیا کا احساس دامن گیر ہوتا ہے۔

* فرینکلین

بے شک بہت دیر تک سوچو، مگر سوچنے کے بعد اٹل فیصلہ کرو۔ مرسلہ: عائشہ عنبرین، کراچی

* جارج ہربرٹ

اپنے دوستوں کے انتخاب میں بڑی ہوشیاری سے کام لو، کیوں کہ دوست زندگی کا سب سے قیمتی اثاثہ ہوتے ہیں۔

مرسلہ: فاروق احمد قندھاری، کراچی

خواب سچّا ہوگیا

مناظر صدیقی

شکیل اور تیمور ہم جماعت بھی تھے اور گہرے دوست بھی۔ اکثر ساتھ ساتھ رہتے، لیکن اس دوستی کے باوجود دونوں میں بڑا فرق تھا۔ شکیل بہت پھرتیلا لڑکا تھا۔ ہر قسم کے کھیلوں میں وہ آگے آگے رہتا۔ پڑھائی میں بھی کسی سے پیچھے نہیں تھا۔ جو کام اُس کے سپرد کیا جاتا، اُسے بڑی محنت اور ہوشیاری سے پورا کرتا۔ لکھنے پڑھنے کے معاملے میں تو تیمور بھی خاصا ہوشیار تھا، لیکن پُھرتیلا نہیں تھا۔ بس خیالوں میں کھویا رہتا۔ ہر وقت یہ سوچتا رہتا کہ کس طرح پلک جھپکتے میں کوئی ایسا کارنامہ انجام دے جس سے اس کی خوب تعریف ہو۔ جدھر سے گزرے، لوگ اُسے دیکھا کریں، لیکن ایسے کارناموں کے متعلق بس خیالی پلاؤ پکاتا رہتا۔ اُلٹے سیدھے منصوبے بناتا۔ شکیل اور دوسرے دوستوں سے کہتا کہ ان منصوبوں پر عمل کرو، ساری دنیا میں شہرت ہوجائے گی۔ تیمور کی اس قسم کی باتوں پر اُس کا کوئی بھی دوست توجہ نہیں دیتا۔

ایک دن شکیل اور تیمور تفریح کرتے، تتلیاں پکڑتے اور نت نئے پھول جمع کرتے ہوئے ندی کے کنارے پہنچ گئے۔ یہ ندی ان کے شہر کے قریب ہی تھی۔ جس شہر میں وہ رہتے تھے، وہ بھی کوئی بہت بڑا شہر نہیں تھا۔ اس شہر میں زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ آدمی رہتے ہوں گے۔ شہر کا سب سے بڑا اسکول وہی تھا جس میں شکیل اور تیمور پڑھتے تھے۔ اس اسکول کے پیچھے کھیت تھے ان میں کہیں کہیں بیر کے درخت تھے اور کہیں املی کے۔ ان کھیتوں کے بعد ہی ندی تھی۔ ندی کیا تھی اچھا خاصا دریا تھا۔ البتہ سُست رفتار دریا ہونے کی وجہ سے اس کا پانی بڑا صاف ستھرا تھا۔ ایک یا ڈیڑھ میل کے فاصلے پر دریا کے اوپر ایک پُل بنا ہوا تھا جسے اس شہر میں "اتواری پُل" کہا جاتا تھا۔ کیوں کہ اس پُل کے قریب ہی ہر اتوار کو ایک بازار لگتا تھا اور قریبی دیہات سے کسان اور باغ بان سبزیاں اور پھل لاکر فروخت کیا کرتے تھے۔

ندی کے کنارے بیٹھے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے کافی وقت گزر گیا تو شکیل نے واپس چلنے

کا خیال ظاہر کیا، لیکن تیمور نے تو جیسے شکیل کی بات سُنی ہی نہیں تھی۔ اُس نے نہ تو کوئی جواب دیا نہ واپسی کے لیے اپنی جگہ سے اُٹھا۔ مجبوراً شکیل کو دوبارہ کہنا پڑا:

"اب کیا ساری عمر یہیں بیٹھے رہو گے؟ شام ہو رہی ہے گھر چلو۔"

"اوں.....؟" تیمور نے چونکتے ہوئے کہا، "میں ندی کے پار سامنے والے کارخانے میں اُڑتی ہوئی دھول پر غور کر رہا تھا۔"

"آپ کی تو کھوپڑی ہی میں دھول بھری ہے۔ کارخانے کی دھول آپ کیوں دیکھ رہے ہیں؟" شکیل نے اپنے دوست کا مذاق اُڑایا۔

"میں نے کہا تھا کہ میں دھول پر غور کر رہا ہوں۔" تیمور نے 'غور' پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو اب آپ فلسفی ہو گئے ہیں۔ کیا آپ دُھول پر غور کرنے کی وجہ بتانا پسند کریں گے؟" شکیل نے پھر مذاق اُڑایا۔

"بات یہ ہے کہ دُھول مجھے ایسی معلوم ہو رہی ہے جیسے کسی گاڑی کے جانے کے بعد اُڑتی ہے۔ اور میں سوچ رہا ہوں کہ کارخانہ تو کئی برس سے بند پڑا ہے اب اس میں دُھول اُڑنے کی وجہ کیا ہے۔ بند کارخانے میں اگر کوئی گاڑی ہے تو کیوں آئی ہے؟" تیمور نے جواب دیا۔

"بھائی، ان باتوں پر بعد میں غور کر لینا۔ اب تو گھر چلو۔ شام کی چائے کا وقت ہے۔" شکیل نے کہا۔

"تمھیں تو ہر وقت چائے کی لگی رہتی ہے۔" تیمور نے کہا، "میں کہتا ہوں کارخانے میں کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ ہمیں چل کر دیکھنا چاہیے۔"

"جی ہاں، ضرور دیکھنا چاہیے۔" شکیل نے جل کر کہا، "چلو بس اب سیدھے سیدھے گھر چلو۔"

تیمور نے جب یہ دیکھا کہ اس کا دوست شکیل اُس کی بات سُننے کے لیے تیار ہی نہیں ہے تو مجبوراً اُسے بھی واپس ہونا پڑا، لیکن اس واپسی سے وہ خوش نہیں تھا۔ گھر پہنچ کر چائے پینے کے بعد وہ اخبار لے کر بیٹھ گیا۔ یہ اخبار ملک کے سب سے بڑے شہر سے شائع ہوتا تھا۔ دو تین خبریں پڑھنے کے بعد اس کی نظر ایک چھوٹی سی خبر پر رُک گئی۔ یہ خبر ایک پانچ سالہ بچّی نوشابہ کے بارے میں تھی۔ خبر میں بتایا گیا تھا کہ ایک بینک منیجر مسٹر عادل کی تین سالہ بچّی کو کچھ لوگ اُٹھا کر لے گئے اور انھوں نے بعد میں ٹیلے فون کر کے بینک منیجر کو بتایا کہ اگر وہ ایک بہت بڑی رقم انھیں

دے دے تو وہ بچّی کو چھوڑ دیں گے، لیکن بینک منیجر نے رقم دینے سے انکار کر دیا اور پولیس کو اطلاع کر دی اور ایسے شخص کو بھی انعام دینے کا اعلان کیا ہے جو اُن کی بچّی کا پتا بتائے اور صحیح سلامت واپس گھر پہنچانے میں مدد کرے۔ تیمور کو معلوم تھا کہ مسٹر عادل اسی شہر میں رہتے ہیں۔ نوشابہ کو وہ اکثر دیکھ بھی چکا تھا۔ خبر میں یہ بھی بتایا گیا تھا کچھ لوگوں نے مسٹر عادل کے گھر کے پاس ایک نیلے رنگ کی کار بھی دیکھی تھی۔ پھر یہ کار شہر سے باہر جاتے ہوئے دیکھی گئی۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ جن لوگوں نے بچّی کو اُٹھایا ہے وہ اُسے کسی دوسرے شہر میں لے گئے ہیں۔

تیمور اخبار لے کر سیدھا اپنے دوست شکیل کے پاس پہنچا جیسے ثبوت پیش کرنا چاہتا ہو کہ دیکھا میں ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ شکیل نے بھی اخبار دیکھ کر اقرار کیا کہ واقعی تیمور کا اندازہ درست تھا۔ تیمور چاہتا تھا کہ وہ اسی وقت ویران کارخانے میں جا کر دیکھے، لیکن شکیل نے کہا کہ اب تو اندھیرا پھیلنے والا ہے۔ اس لیے اس وقت وہاں جانا ٹھیک نہیں، البتہ صبح ہی صبح وہاں چلیں گے۔ شکیل کے سمجھانے بجھانے پر تیمور اپنے گھر تو آ گیا، لیکن رات کو اسے سکون سے نیند نہیں آئی۔ سویا بھی تو خواب میں یہی دیکھتا رہا کہ وہ ڈاکوؤں سے لڑ رہا ہے، پھر اُس نے ڈاکوؤں کو مار بھگایا اور بچّی کو ساتھ لے کر شہر میں داخل ہوا تو سارا شہر اس کا استقبال کرنے کے لیے اس طرح جمع ہو گیا جیسے لوگ کسی بڑے لیڈر کا استقبال کرنے کے لیے جمع ہوتے ہیں۔

صبح ہوئی تو تیمور نے جلدی جلدی تیاری شروع کر دی۔ اس کی امّی نے پوچھا تو اس نے بہانہ کر دیا کہ آج اسکول کے تمام اسکاؤٹ کیمپ کے لیے باہر جا رہے ہیں۔ اُس نے اپنی اسکاؤٹوں والی وردی پہنی اور اسکاؤٹ والا چاقو ساتھ لے کر شکیل کے پاس پہنچ گیا۔ شکیل نے اُسے اس حلیے میں دیکھا تو اُسے بھی گھر سے نکلنے کا بہانہ سوجھ گیا۔ اس طرح دونوں دوستوں نے اپنے گھر میں یہ بات نہیں بتائی کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ شاید اُنھیں اس بات کا یقین تھا کہ وہ دونوں ہر خطرے کا مقابلہ کر لیں گے۔

اتواری کے پُل سے ندی پار کرنے کے بعد پہلے تو وہ پکّی سڑک پر چلتے رہے اس وقت تیمور اپنے آپ کو سچ مچ کا جاسوس سمجھ رہا تھا۔ چاروں طرف اسی طرح دیکھتا جیسے اُس نے اکثر

ٹیلے وژن کی فلموں میں دیکھا تھا۔ اچانک اُس نے شکیل کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر روک دیا اور آہستہ سے کان میں کہنے لگا، "ہمیں پکّی سڑک کے بجائے کچّے راستے پر چلنا چاہیے، تاکہ اگر چور وہاں موجود ہوں تو ہمیں دُور سے نہ دیکھ سکیں۔"

شکیل کو تیمور کی تجویز پسند آئی۔ چناں چہ دونوں نے پکّی سڑک چھوڑ دی۔ کچّی سڑک پر پہنچتے ہی تیمور اپنے خیال میں ایک مرتبہ پھر اصلی جاسوس بن گیا۔ اور زمین کو غور سے دیکھتا ہوا چلنے لگا۔ اتفاق سے آج اُس کے سارے خیالی پلاؤ حقیقت بنتے جا رہے تھے۔ تھوڑی دُور پر اُنھیں کار کے پہیوں کے نشانات نظر آئے۔ تیمور نے فوراً شکیل کا ہاتھ دبا کر رُکنے کا اشارہ کیا اور خود پہیّوں کے نشانات کو غور سے دیکھنے کے لیے جُھک گیا۔ اُسے جھکتا دیکھ کر شکیل کو بھی توجہ دینی پڑی۔ واقعی یہ نشانات زیادہ پرانے نہیں معلوم ہوتے تھے۔ اب تیمور ان نشانات کو دیکھتا ہوا شکیل کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھنے لگا۔

کافی دیر چلنے کے بعد وہ ویران کارخانے کے احاطے کی دیوار کے قریب پہنچ گئے۔ دیوار

کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں شاید کسی زمانے میں فیکٹری کا گیٹ تھا۔ اب گیٹ تو غائب ہو چکا تھا، لیکن یہاں بھی انھیں کار کے پہیوں کے نشانات اندر جاتے ہوئے نظر آئے۔ احاطے کے اندر بہت سی جھاڑیاں اور اونچی اونچی گھاس اُگی ہوئی تھی۔ بعض جگہ سے یہ گھاس بھی کچلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی گاڑی اس گھاس کو کچلتی ہوئی کارخانے کی عمارت تک گئی ہے۔

تیمور اور شکیل جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہوئے آہستہ آہستہ عمارت کی طرف بڑھنے لگے۔ ایک جھاڑی کی آڑ سے نکلے تو اُنھیں دُور سے ایک نیلے رنگ کی کار کھڑی ہوئی نظر آئی۔ جسے دیکھ کر شکیل نے کہا، "کار تو کھڑی ہوئی ہے۔ شاید بچّی کو اُٹھالے جانے والے بھی یہیں موجود ہیں۔"

"ہاں! ہمیں بہت احتیاط سے آگے بڑھنا چاہیے۔" تیمور نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں واپس چلنا چاہیے اور پولیس کو اطلاع دے دینی چاہیے کہ نیلے رنگ کی کار ویران کارخانے میں موجود ہے۔ تاکہ پولیس آکر ان لوگوں کو گرفتار کرلے۔" شکیل نے تجویز پیش کی، لیکن تیمور تو اپنے آپ کو ہی بہت بڑا جاسوس سمجھ رہا تھا۔ وہ واپس جانے پر تیار نہیں ہوا اور کہنے لگا، "پولیس ہماری بات پر یقین نہیں کرے گی۔ ویسے بھی یہ بات تو اخبار میں بھی چھپ چکی ہے کہ نیلے رنگ کی کار شہر سے باہر جاتے ہوئے دیکھی گئی تھی۔ اس لیے پولیس کو خود ہی یہاں کی تلاشی لینی چاہیے تھی، لیکن کسی نے بھی یہ بات نہیں سوچی۔ اس لیے ہمیں پہلے اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا چاہیے کہ بچّی اندر موجود ہے یا نہیں۔ اگر بچّی اندر نہ ہوئی تو پولیس کو بُلانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ یہ لوگ کوئی بہانہ کردیں گے، پھر نیلے رنگ کی تو بہت سی کاریں ہوتی ہیں۔ ہم کیسے ثابت کریں گے کہ یہ وہی کار ہے۔"

تیمور کی بات واقعی عقل کے مطابق تھی۔ اس لیے شکیل بھی خاموش ہو گیا اور احتیاط سے تیمور کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ ابھی وہ تھوڑی ہی دُور آگے بڑھ پائے تھے کہ اچانک ایک آدمی ان کے سامنے آگیا۔ اس آدمی نے ڈانٹ کر ان سے پوچھا، "اے لڑکو! یہاں کیا کر رہے ہو۔ بغیر اجازت ہمارے احاطے میں کیوں گھس آئے؟"

شکیل نے اس آدمی کو دیکھتے ہی فیصلہ کر لیا کہ اُسے سچّی بات نہیں بتانی چاہیے، کیوں کہ شکیل کو معلوم تھا کہ اس ویران کارخانے کے اصلی مالک دوسرے صاحب ہیں، جو اُن ہی کے

شہر میں رہتے ہیں۔ ان کا نام مرزا صاحب ہے۔ شکیل مرزا صاحب کو اچھی طرح پہچانتا تھا اور اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس ویران کارخانے کے آس پاس جتنی زمینیں اور کھیت ہیں وہ بھی مرزا صاحب ہی کے ہیں۔ شکیل کو معلوم ہو گیا کہ یہ انھی لوگوں میں سے ہے جنھوں نے بچّی کو اغوا کیا ہے اور بینک منیجر مسٹر عادل سے بچّی کو چھوڑنے کے لیے ایک بڑی رقم مانگی ہے۔ چناں چہ شکیل نے کہا،

"ہم اسکاوٹ ہیں۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم جنگلی پھول، تتلیاں اور درختوں یا جھاڑیوں کے ایسے پتّے جمع کر کے اپنے اپنے اسکول لے جائیں جو عام پتّوں سے مختلف ہوں اور عجیب سے لگتے ہوں۔ اسی لیے ہم یہ چیزیں جمع کرنے کے لیے اس طرف آئے ہیں۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ مجھے تمھاری بات پر یقین نہیں....."

ابھی وہ آدمی کچھ اور کہنا ہی چاہتا تھا کہ ایک اور آدمی وہاں پہنچ گیا اور کہنے لگا "متّو، انھیں پکڑ کر اندر بند کر دو۔ میں نے ان دونوں کی باتیں سُن لی ہیں۔ یہ ہماری تلاش میں

آئے تھے۔"

دوسرے آدمی کا جملہ ختم ہوتے ہی مٹّو آگے بڑھا۔ اسی وقت شکیل اور تیمور اپنی اپنی جگہ سوچ رہے تھے کہ اب انھیں بھاگ ہی جانا چاہیے۔ پھر جیسے ہی وہ آدمی تیمور کی طرف بڑھا شکیل نے بڑی پھرتی سے اُچھل کر مٹّو کے پیر پر ایک لات رسید کی اور پوری طاقت سے اُسے دھکّا دیا۔ مٹّو کو شاید یہ اُمید نہیں تھی کہ بارہ تیرہ سال کا یہ لڑکا بھی اس طرح حملہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ پیر پر لات پڑنے اور ساتھ ہی پوری طاقت سے دھکّا کھانے سے وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ دونوں دوستوں کے لیے اتنا موقع کافی تھا۔ وہ اُچھل کر وہاں سے بھاگے، لیکن دونوں ہی کم عمر تھے چند لمحوں کے بعد مٹّو کے دوسرے ساتھی نے لپک کر شکیل کی گردن دبوچ لی اور جھٹکا دے کر اسے زمین پر گرا دیا۔ شکیل کو گرا کر وہ پھر لپکا اور تیمور کو بھی پکڑ لیا۔ اتنی دیر میں شکیل اُٹھ چکا تھا۔ وہ بھاگنا ہی چاہتا تھا کہ مٹّو کے ساتھی نے جیب سے پستول نکال لیا اور دھمکی دی:

"ایک قدم بھی بڑھایا تو گولی مار دوں گا۔ یہاں کوئی تمھیں بچانے نہیں آسکے گا۔"

شکیل نے پلٹ کر دیکھا۔ اُسے یقین ہو گیا کہ اگر اس نے اس آدمی کا کہنا نہیں مانا تو وہ واقعی گولی چلا دے گا۔ اس لیے اس نے سوچا کہ بھاگنا بے کار ہے۔ اس وقت تو اس آدمی کا کہنا مان لینا چاہیے۔ اتنی دیر میں مٹّو بھی ان کے قریب پہنچ گیا اور اپنے ساتھی سے کہنے لگا:

"خان صاحب، اتنے سے لڑکے نے مجھے دھوکے سے گرا دیا۔ آپ اجازت دیں میں اسے گستاخی کا مزہ چکھا دوں!"

"نہیں! ہم وقت ضائع نہیں کر سکتے۔ ابھی ہمیں بہت سے کام کرنے ہیں۔" اُس آدمی نے جواب دیا جسے مٹّو نے خان صاحب کہا تھا۔ "ان لڑکوں کو معلوم ہو گیا کہ ہم لوگ کہاں چھپے ہیں۔ اب ہمیں جلد سے جلد چھُپنے کے لیے کوئی نئی جگہ تلاش کرنی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے پیچھے کچھ اور لوگ بھی اِدھر آجائیں۔ تم ان دونوں کے ہاتھ پیر باندھ کر انھیں بھی کمرے میں بند کر دو۔ ان کے متعلق واپسی پر سوچیں گے۔"

خان کا حُکم سنتے ہی مٹّو نے تیمور اور شکیل کے ہاتھ پیر باندھنے شروع کر دیے۔ اس کام

کے لیے اُسے رسّی بھی تلاش نہیں کرنی پڑی، کیوں کہ شکیل اور تیمور دونوں ہی کے پاس اسکاؤٹوں والے رسّے موجود تھے۔ ذرا سی دیر میں دونوں کے ہاتھ پیر باندھ دیے گئے، پھر مٹّو نے ایک ایک کر کے دونوں کو اُٹھا کر ایک کمرے میں پہنچا دیا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی انھیں کسی بچّی کے رونے اور سسکیاں لینے کی آواز سُنائی دی۔ دونوں کو یقین ہو گیا کہ یہ بینک منیجر کی بچّی نوشابہ ہی ہے۔ اس کمرے میں زیادہ روشنی نہیں تھی۔ عجیب قسم کی بُو آرہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ کمرا زیادہ تر بند رہتا ہو۔ یہاں صرف ایک روشن دان تھا، جس سے بہت کم روشنی اندر آتی تھی۔ کمرے میں ہر طرف کاٹھ کباڑ بکھرا ہوا تھا۔ ٹوٹی ہوئی کرسیاں، ٹوٹی پھوٹی میزیں، ٹوٹی ہوئی بوتلیں۔

خان اور مٹّو کمرے کا دروازہ بند کر کے چلے گئے تو تیمور نے شکیل سے کہا:

"ہمیں بے کار پڑے پڑے وقت نہیں برباد کرنا چاہیے۔ یہاں سے بھاگنے کی ترکیب کرو۔"

"لیکن ہاتھ پیر تو بندھے ہوئے ہیں۔ ہم بھاگ کیسے سکتے ہیں؟" شکیل نے جواب دیا۔

"بے بی، ہمارے پاس آؤ۔ ہم تمھیں لینے کے لیے آئے تھے۔ تمھیں، تمھارے ابّو کے پاس لے چلیں گے۔" تیمور نے شکیل کے بجائے نوشابہ کو مخاطب کیا، لیکن نوشابہ کو شاید تیمور کی باتوں کا یقین نہیں آیا تھا۔ وہ جہاں بیٹھی تھی وہیں بیٹھی روتی رہی۔ تیمور نے دوبارہ اسے اپنے پاس بلایا۔ اب شکیل نے بھی کہا، "ہاں بے بی آجاؤ۔ ڈرو نہیں۔ ہم سب جلد ہی یہاں سے نکل چلیں گے، آجاؤ.... شاباش۔"

نوشابہ پہلے تو دونوں کی طرف دیکھتی رہی پھر آنسو پونچھتی ہوئی ان کے قریب آئی اور انھیں بندھا ہوا دیکھ کر کہنے لگی، "تم ابّو کے پاس کیسے چلو گے؟ تم تو خود بندھے ہوئے ہو۔"

"تم بالکل نہ گھبراؤ۔ آزاد ہونے کی ترکیب ہم سوچ لیں گے۔" شکیل نے کہا۔ اسی وقت اُس کی نظر کمرے میں کسی چمکتی ہوئی چیز پر پڑی۔ اب جو اُس نے غور سے دیکھا تو یہ چمکتی ہوئی چیز دراصل کانچ کا ایک ٹکڑا تھا۔ شکیل نے اسے دیکھتے ہی نوشابہ سے کہا، "اچھی بہن، تم کانچ کا وہ ٹکڑا اُٹھا لاؤ جو سامنے پڑا چمک رہا ہے۔"

نوشابہ کو بھی کانچ کا وہ ٹکڑا نظر آگیا۔ وہ جلدی سے اُسے اُٹھا لائی۔ اب شکیل نے

اُس سے کہا، ”کانچ کے اس ٹکڑے سے گھس کر میرے ہاتھ کی رسّی کاٹ دو۔ دیکھو اپنا ہاتھ نہ کاٹ لینا۔“

نوشابہ نے شکیل کی ہدایت کے مطابق آہستہ آہستہ کانچ کا وہ ٹکڑا رسّی پر رگڑنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر بعد شکیل کے ہاتھ کی رسّی کٹ گئی۔ اب شکیل نے اپنے پیروں کی رسّی کھولی پھر تیمور کی رسیاں بھی کھول دیں اور نوشابہ سے کہنے لگا:

”دیکھو! ہمارے ہاتھ پیر تو کُھل گئے۔ اب ہم جلد ہی یہاں سے نکل کر تمھارے ابّو کے پاس چلیں گے۔“

اتنی دیر میں تیمور کمرے میں گھوم پھر کر ایک ایک چیز دیکھ رہا تھا۔ جس دروازے سے انھیں کمرے میں ڈالا گیا تھا اس کے بالکل سامنے کی دیوار کے ایک کونے میں اُسے ایک اور دروازہ نظر آیا۔ ایسا ہی ایک دروازہ کمرے کی تیسری دیوار میں بھی تھا۔ یہ دونوں دروازے بند تھے۔ تیمور نے ان دروازوں پر زور لگایا تو دونوں دروازے کُھل گئے۔ ان میں سے ایک دروازہ دوسرے کمرے میں کُھلتا تھا، لیکن دوسرا دروازہ ندی کی طرف بالکونی میں کُھلتا تھا۔ یہاں سے اُتر کر ندی میں جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ تیمور نے یہ باتیں شکیل کو بتائیں تو دونوں نے مِل کر یہ طے کیا کہ کمرے میں جو ٹوٹی پھوٹی میزیں پڑی ہیں اُن سے ایک کشتی بنائی جائے۔ دوسرے کمرے میں تیمور کو کچھ خالی ڈرم اور موٹی رسّی نظر آئی تھی۔ ان سب چیزوں کی مدد سے میز کے تختوں اور ڈرموں کو باندھ کر وہ کشتی بنا سکتے تھے، کیوں کہ اسکاؤٹ کی حیثیت سے اُنھیں ایسی کشتی بنانا سکھایا گیا تھا۔ چناں چہ دونوں نے مل کر بڑی تیزی سے کام شروع کیا اور جلد ہی کشتی تیار کر لی۔ انھوں نے خالی ڈرم اس لیے باندھے تھے کہ کشتی کے تختے پانی سے اوپر رہیں۔ پھر وہ کشتی انھوں نے گھسیٹ کر ندی میں ڈال دی۔ جس جگہ بالکونی کا دروازہ تھا وہاں سے ندی کا پانی کافی نیچا تھا۔ اب انھوں نے فیصلہ کیا کہ پہلے تیمور نوشابہ کو لے کر کشتی میں اُترے، اس کے بعد شکیل بھی کشتی میں پہنچ جائے۔ کشتی کھینے کے لیے انھوں نے دو لمبے لمبے تختے بھی تلاش کر لیے تھے۔ پھر جیسے ہی تیمور نوشابہ کو لے کر کشتی میں اُترا ویسے ہی انھیں موٹر کار آنے کی آواز سُنائی دی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ خان اور مٹّو واپس آ گئے ہیں۔ خطرہ بڑھ گیا تھا اس لیے شکیل بھی جلدی سے کشتی میں پہنچ گیا۔ دونوں نے نوشابہ کو
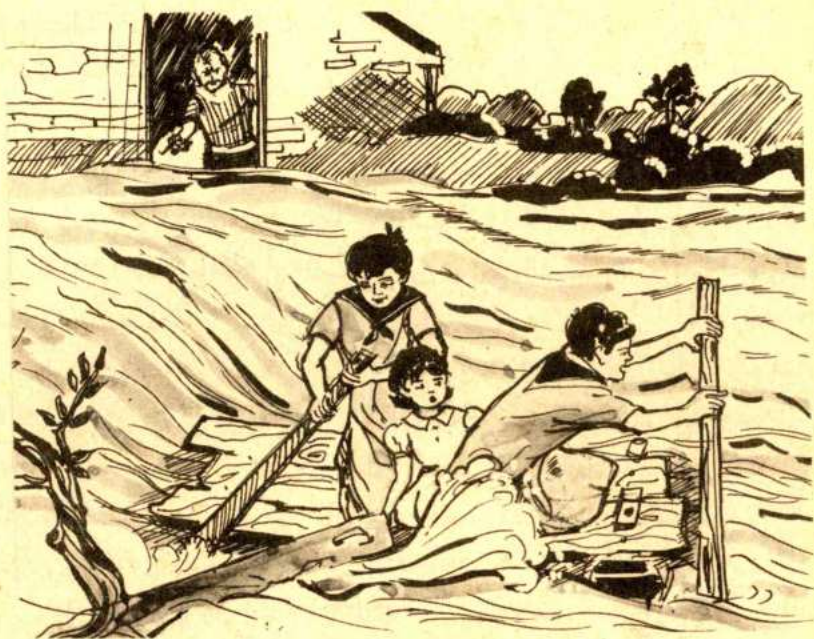
اپنے درمیان میں بٹھالیا۔ پھر تیمور نے کارخانے کی دیوار سے پیر لگا کر ایک زور کا دھکّا دیا اور کشتی دیوار کے قریب سے ہٹ کر دریا کے بہاؤ میں پہنچ گئی۔

کشتی جب دیوار کے پاس سے ہٹ چکی تو اُسی وقت انھیں اُسی کھلے ہوئے دروازے میں مٹّو کا چہرہ نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا، لیکن اُن کی خوش قسمتی یہ تھی کہ وہ پانی کے بہاؤ کی وجہ سے اتنی دُور پہنچ چکے تھے کہ پستول کی زد سے باہر تھے، لیکن اب انھیں ایک اور خطرے کا سامنا تھا۔ یعنی اب انھیں دوسرے کنارے تک پہنچنے کے لیے اتواری کے پُل کے نیچے سے گزرنا تھا۔ یہ ایسی جگہ تھی جہاں پانی کم تھا۔ خان اور مٹّو انھیں پانی میں اُتر کر آسانی سے پکڑ سکتے تھے۔ ہوا بھی یہی۔ وہ جب پُل کے قریب پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ خان اور مٹّو اُن سے پہلے اپنی کار میں وہاں پہنچ چکے تھے۔ خان کنارے پر کھڑا تھا اور مٹّو پانی میں اُتر کر ان کا انتظار کر رہا تھا۔

پُل کے قریب پانی اتنا کم تھا کہ ان کی کشتی ریت میں پھنس گئی۔ اب مٹّو ان کے بالکل قریب

تھا اور ان کی طرف پستول تانے انھیں کشتی سے اُترنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ اُسی وقت انھیں پُل کے اوپر مرزا صاحب نظر آئے۔ ان کے ہاتھ میں بندوق تھی۔ انھوں نے اوپر سے چلّا کر مٹّو کو حکم دیا:

"فوراً پستول پھینک دو، ورنہ گولی مار دوں گا۔ میرے ساتھ دو آدمی اور ہیں اور ہم تم دونوں کو گولی مار دیں گے۔"

اب جو تیمور اور شکیل نے اوپر دیکھا تو واقعی پُل پر مرزا صاحب کے ساتھ دو آدمی نظر آئے۔ دونوں کے ہاتھ میں بندوقیں تھیں۔ خان اور مٹّو نے بھی انھیں دیکھ لیا۔ اب ان کے پاس مرزا صاحب کا حکم ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ انھوں نے مرزا صاحب کا حکم مان لیا اور پستول پھینک کر کنارے پر پہنچ گئے۔ ان سے پہلے مرزا صاحب کا ایک آدمی وہاں پہنچ چکا تھا۔ اب مرزا صاحب نے شکیل اور تیمور سے کہا کہ وہ نوشابہ کو ساتھ لے کر اطمینان سے کنارے پر آجائیں۔ تیمور، شکیل اور نوشابہ کنارے پر پہنچ گئے۔ مرزا صاحب نے انھیں بتایا کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ شکار کھیلنے کے لیے نکلے تھے۔ مٹّو کو پستول لیے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے خطرہ محسوس کیا اور بندوق تان لی۔ تھوڑی دیر کے بعد خان اور مٹّو کو پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ مسٹر عادل نے جس انعام کا اعلان کیا تھا وہ شکیل اور تیمور کو مل گیا۔ یہ بہت بڑی رقم تھی۔ دونوں دوستوں نے یہ رقم اپنے اسکول کے ہیڈ ماسٹر کے حوالے کر دی، تاکہ اس سے غریب بچّوں کے لیے کتابیں وغیرہ خرید کر تقسیم کی جائیں۔ دونوں دوستوں کے اس فیصلے پر اسکول میں ایک شان دار تقریب ہوئی اور تیمور نے اپنے استقبال اور ہار پہننے کا جو خواب دیکھا تھا، وہ پورا ہو گیا۔

****

- دنیا میں سب سے زیادہ چھٹیاں اٹلی میں منائی جاتی ہیں۔
- چاند پر اب تک کل ۱۲ افراد جا چکے ہیں۔
- امریکا کے سابق صدر ہربرٹ ہُوور کو دنیا کی مختلف یونی ورسیٹیوں سے ۹۰ اعزازی ڈگریاں ملیں، جو ایک عالمی ریکارڈ ہے۔
- تمام دنیا میں بلجیئم کے رہنے والے سب سے زیادہ آلو کھاتے ہیں اور آئر لینڈ کے رہنے والے ان سے دوسرے درجے پر ہیں۔

ہمدرد گھٹی
بچوں کے نظامِ ہضم کے لئے ایک قدرتی دوا
چنیدہ نباتات سے صدیوں پرانے اصولوں پر تیار کردہ ہمدرد گھٹی نومولود
بچوں کا پیٹ صاف کرنے کے لئے ایک قدرتی دوا ہے۔ انتہائی
خوش ذائقہ ہمدرد گھٹی بچوں کو گیس، قبض اور پیٹ کی بہت سی
دوسری تکلیفوں سے محفوظ رکھتی ہے۔
خوش ذائقہ
ہمدرد گھٹی
ہمدرد
ہمدرد گھٹی

عید کی آمد

غنی دہلوی

اپنے ہمراہ بہاروں کے فسانے لے کر
عیش و عشرت کے دلِ آویز ترانے لے کر
اپنے دامن میں محبّت کے خزانے لے کر

عید آئی ہے مسرّت کے سنانے نغمے
لے کے آئی ہے محبّت کے سہانے نغمے

کر دیا جوشِ محبّت نے دلوں کو بے تاب
ایک سے ایک گلے ملنے لگے ہیں احباب
ہو گئے فرطِ مسرت سے سبھی چہرے شاداب

عید آئی ہے مسرّت کے سنانے نغمے
لے کے آئی ہے محبّت کے سہانے نغمے

گُدگُداتی ہوئی پھولوں کو گلستانوں میں
جگمگاتی ہوئی ذرّوں کو بیابانوں میں
گنگناتی ہوئی کاشانوں میں، ایوانوں میں

عید آئی ہے مسرّت کے سنانے نغمے
لے کے آئی ہے محبّت کے سہانے نغمے

لمحے خوشیوں کے ہیں یہ ہنسنے ہنسانے کے لیے
دِل میں اُجڑی ہوئی بستی کو بسانے کے لیے
غم کے مارے ہوئے انساں کو لبھانے کے لیے

عید آئی ہے مسرّت کے سنانے نغمے
لے کے آئی ہے محبّت کے سہانے نغمے

غُنچہ و گُل مُتَبَسّم ہیں، عَنادِل خُوش تَر
بُوئے گُل پھیل رہی ہے کہ فضا میں عنبر
دوڑتے پھرتے ہیں آنکھوں میں خوشی کے منظر

عید آئی ہے مسرّت کے سُنانے نغمے
لے کے آئی ہے محبّت کے سہانے نغمے

امّی جان، سردی لگ رہی ہے،
مجھ پر رضائی ڈال دیں۔
بیگم، مت ڈالنا، بہت کاہل ہو گیا ہے۔
کچھ دیر پہلے مچھر مجھے بڑی طرح کاٹ رہے تھے میں
نے بہت کہا کہ ان مچھروں کو مجھ پر سے اُڑا دے،
لیکن یہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔
ہاتھ پیر سلامت ہوتے ہوئے تمھیں بھیک
مانگنے میں شرم نہیں آتی؟
بابو جی، اسی حالت میں بھیک
دینا ہے تو دے دیں، میں آپ کے چند پیسوں
کی خاطر اپنے مضبوط ہاتھ پیر تو کٹوانے سے
رہا۔

دو مُسافر دو ملک

مسعود احمد برکاتی

لندن بہت بڑا شہر ہے۔ ساری دنیا میں مشہور ہے۔ کچھ عرصے پہلے تک یہ اُس سلطنت کا صدر مقام تھا جس میں سورج کبھی طلوع نہ ہوتا تھا، لیکن میں ایک آزاد ملک کے شہری کی حیثیت سے ایک آزاد انسان کی حیثیت سے یہاں آیا تو میں سَر اٹھا کر چلا، برابری سے بات کی۔ انگریزوں کی خوبیوں اور خامیوں کا آزاد ذہن سے جائزہ لیا۔ آزادی بھی کیسی نعمت ہے۔ غلامی قوموں کو کھا جاتی ہے۔ خدا کسی کو غلام نہ کرے۔ غلامی انسان کی روح کے لیے گھُن ہے جو اندر ہی اندر ساری خوبیوں کو چاٹ ڈالتی ہے۔ ایک غریب، مگر آزاد ملک کا معمولی شہری بھی بڑے سے بڑے ملک اور بڑے سے بڑے آدمی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتا ہے۔ آزادی اس کی آنکھوں کی چمک بن کر اعتماد کی قوت میں ڈھل جاتی ہے۔

پیرس بھی بڑا شہر ہے۔ اپنا وطن سب سے پیارا ہے، لیکن پاکستان کے بعد میں فرانس کو ہی شاید دوسرا نمبر دوں اور میرے خیال میں میری طرح دنیا کے بہت سے لوگ ہوں گے جو اپنے وطن کے بعد فرانس کو ہی پسند کریں گے۔ فرانس میں سکون بھی بہت محسوس ہوا۔ بڑے شہروں کی بے تحاشا دھکا پیل، بھاگ دوڑ اور افراتفری وہاں نظر نہیں آتی۔ لوگوں کو بھی پُرسکون ہی پایا۔ اپنے آپ میں مگن دکھائی دیتے ہیں۔ ہر وقت ہوٹل بھرے رہتے ہیں۔ شراب بہت پیتے ہیں۔ چائے کا تو شاید پیرس کے لوگوں کو ذوق ہی نہیں ہے۔ بہت کم زور سی چائے ہوتی ہے اور وہ بھی مہنگی۔ کافی چائے سے سستی ہوتی ہے۔

ایک دن جناب آباد حسین (پیرس میں پاکستانی سفارت خانے میں منسٹر ہیں) کی طرف سے رات کے کھانے کی دعوت تھی۔ ڈاکٹر ایم اے قاضی (صدر پاکستان کے مشیرِ سائنس) بھی تھے۔ واپسی میں ایک فُٹ پاتھ پر لوگ جمع تھے۔ قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ کوئی گا رہا ہے، کوئی بجا رہا ہے، کوئی ناچ رہا ہے۔ بے فکرے نوجوان جمع ہیں اور گا بجا کر اپنی تھکن دُور کر رہے ہیں۔ فُٹ پاتھ پر جگہ نہیں رہی تو

آدمی سڑک بھی آدمیوں سے گھر گئی۔

ایک دن ٹیکسی پکڑ کر میں اکیلا ہی لُوؤر میوزیم دیکھنے پہنچ گیا۔ یوں تو سارا پیرس ہی عجائب گھر معلوم ہوتا ہے، لیکن لُوؤر کی کیا بات ہے۔ یہ کسی زمانے میں فرانس کے بادشاہوں کا محل تھا۔ موجودہ عمارت سولھویں صدی میں فرانسس اوّل نے بنوانی شروع کی تھی۔ اس میں اضافے لوئی چہاردہم اور نپولین نے کیے، تاہم اس کو عجائب گھر بنانے کا خیال اٹھارویں صدی میں پیدا ہوا۔ اب یہ دنیا کا سب سے بڑا عجائب گھر ہونے کا مُدعی ہے۔ اس کے چھے بڑے حصّے یا شعبے ہیں: (۱) مشرقی نُوادِر (۲) مصری نُوادِر (۳) یونانی ورومی نوادر (۴) مجسمے (۵) فن کے نادِر نمونے (۶) تصاویر۔

عمارت بہت بڑی ہے۔ میں نے داخل ہوتے وقت بورڈ پڑھا تو معلوم ہوا کہ ٹکٹ سے داخلہ ہوتا ہے۔ میں اندر گیا۔ سب سے پہلے ہال میں چھپی ہوئی تصویریں اور کارڈ فروخت ہوتے ہیں۔ میں نے وہاں معلوم کرنا چاہا کہ داخلہ ٹکٹ کہاں ملے گا، مگر کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ میں بھی فروخت ہونے والی تصویروں کو دیکھنے میں لگ گیا۔ خیال ہوا کہ دو ایک تصویریں تو خرید لی جائیں، مگر ایک تو قیمتیں ماشاء اللہ، پھر انتخاب آسان نہیں۔

لیونارڈو دا وِنچی

نظر ہر تصویر پر ٹھیر جاتی تھی، مگر دوسری تصویر پر پڑتی تو وہیں نگاہ جم جاتی۔ بہرحال یونہی کرتے کرتے ایک جائزہ لے لیا اور پھر اوپر کی منزل کی طرف قدم بڑھے۔ نہ ٹکٹ کی کھڑکی ملی نہ کسی نے ٹوکا کہ بغیر ٹکٹ کہاں جا رہے ہو۔ تصاویر (پینٹنگز) کا شعبہ ہی بہت بڑا تھا۔ اتنا بڑا کہ مسلسل ساڑھے تین گھنٹے تک رُکے بغیر چلتا رہا۔ کہیں کہیں ٹھٹکا ضرور۔ اچھا یہ "رفائل" (RAPHAEL) کا شہ کار ہے۔ یہ "روبنز" (RUBENS) کے فن پارے ہیں۔ یہ "گویا" (GOYA) کی تصویریں ہیں۔

یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ لُوؤر میں سب سے زیادہ فن پارے فرانسیسی مصوروں کے ہیں۔ میں اگر ان ہزاروں تصویروں کو اس طرح دیکھتا جس طرح تصویروں کو دیکھنا چاہیے تو اس کے لیے ہفتوں بلکہ مہینوں درکار تھے، لہٰذا میں تو چلتا ہی رہا۔ دَم لینے کے لیے بھی نہیں بیٹھا۔ حال آنکہ کمروں کے درمیان میں کہیں کہیں بنچیں بھی ہوئی تھیں۔ ہاں چند منٹ رُکا تو لیونار دو دا وِنچی کی مشہورِ زمانہ تصویر "مونا لیزا" کے سامنے۔ لیونار دو اگرچہ اطالوی تھا، لیکن مونا لیزا کی اصل تصویر لُوؤر میوزیم پیرس میں ہے۔ اٹلی کے لوگ کہتے ہیں کہ لیونار دو تو ہمارا تھا، لہٰذا مونا لیزا پر بھی ہمارا حق ہے۔ ایک بار مونا لیزا بھی چوری ہو چکی ہے۔ شاید اسی کے بعد سے لُوؤر والوں نے اس کو دیوار میں پیوست کر کے اس پر موٹا شیشہ چڑھا دیا ہے یا یوں کہیے کہ دیوار کے اندر الماری بنا دی ہے۔ اس پر بھی ان کو اطمینان نہیں ہوا تو انھوں نے وہاں پہرا چوکی بھی لگا دیا ہے۔ لہٰذا ایک سنتری وہاں ہر وقت کھڑا رہتا ہے۔ آرٹ کا یہ شہ کار جب چوری ہوا تو تمام دنیا کے اخبارات نے اس کی خبریں اس طرح شائع کی تھیں کہ جیسے دنیا کا کوئی بہت بڑا آدمی مَر گیا یا کوئی بہت خطرناک حادثہ ہو گیا۔ تصویر تو مل گئی تھی، لیکن چور یا چوروں کا پتا آج تک نہیں چلا۔

مونا لیزا

مونالیزا (یا "مونا لیسا") یہ اٹلی کی ایک خاتون کی تصویر ہے۔ اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی، دبی دبی سی مسکراہٹ ہے۔ یہ مسکراہٹ یا تبسّم اتنا خفیف سا ہے کہ اگر اس کا مصوّر لیونار دو اس پر چند برش اور چلاتا تو شاید یہ مسکراہٹ ہرے سے ہی غائب ہو جاتی۔ یہ مسکراہٹ بھی ایک معمّا ہے۔ یہ عورت کس چیز پر کس بات پر مسکرا رہی ہے، کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اس تصویر میں مسکراہٹ کے علاوہ بھی بعض چیزیں غور کرنے کی ہیں۔ عورت کا جسم خاصا توانا ہے۔ وہ کوئی مٹی کا پتلا نہیں معلوم ہوتی بلکہ اصلی عورت دکھائی

دیتی ہے۔ لیونارڈو یہ جان دار تصویر اس لیے بنا سکا کہ وہ جانتا تھا کہ ہلکے بھاری رنگ کس طرح استعمال کیے جاتے ہیں اور روشن حصّے کو گہرائی میں کس طرح آمیز کیا جاتا ہے۔ ایک اور پہلو بھی اس تصویر کا توجہ طلب ہے اور وہ ہے اس کا پس منظر، جو ایک زمینی منظر ((LANDSCAPE)) ہے اور اس میں پہاڑ، ٹیلے اور چشمہ نظر آتا ہے، لیکن یہ چیزیں دُور ہونے کی وجہ سے جتنی مدھم دکھائی دینی چاہیے تھیں، مُصوّر نے اس کا پورا خیال رکھا ہے اور لیونارڈو پہلا مصوّر تھا جس کو یہ مہارت حاصل تھی۔ دراصل لیونارڈو ایک جینئس انسان تھا۔ وہ ایک آرٹسٹ ہی نہیں فنِ تعمیر کا ماہر، موسیقار، مجسمہ ساز، فلسفی، شاعر، ایتھیلیٹ، ریاضی داں، موجد اور علم الابدان کا ماہر بھی تھا اور آرٹ اس کی بہت سی دل چسپیوں اور مشغلوں میں سے ایک تھا۔ اسی لیے اس کی بنائی ہوئی تصویروں کی تعداد بہت کم ہے۔ آرٹ کے بعض ماہرین کی نظر میں لیونارڈو آج بھی دنیا کا بہترین آرٹسٹ (پینٹر) ہے۔ وہ ۱۴۵۲ء میں پیدا ہوا تھا اور ۱۵۱۹ء میں انتقال کر گیا۔ وہ بائیں سے دائیں نہیں لکھتا تھا جیسے انگریزی لکھی جاتی ہے بلکہ اردو کی طرح انگریزی کو بھی دائیں سے بائیں لکھتا تھا۔ اس کے وسیع علم کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے کوپرنیکس سے بھی پہلے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ سورج حرکت نہیں کرتا۔

تصویروں کے شعبے میں اتنا چل کر میں خاصا تھک گیا تھا، اس لیے نیچے آیا اور باہر نکل کر ایک ٹھنڈی بوتل پی۔ وہاں بھی ورانڈے کی سیڑھیوں پر ٹھیلوں میں بوتلیں لیے پھیری والے اسی طرح کھڑے رہتے ہیں جس طرح ہمارے ہاں سینماؤں وغیرہ کے باہر۔ اور جب لوگ اِدھر سے گزرتے ہیں تو لوور میوزیم میں بھی گاہک کو متوجہ کرنے کے لیے اسی قسم کی آوازیں نکالتے ہیں جس طرح ہمارے پاکستان میں۔

میں باہر نکلا تو ایک آدمی نے کہا، ٹھیرنا، ٹھیرنا، ہلنا نہیں، ذرا اسی طرح کھڑے ہو جاؤ۔ کیمرا دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ یہ تصویر اُتارنا چاہتا ہے، لیکن میں تیار نہیں ہوا، اس لیے کہ مجھے "تجربہ کاروں" نے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا کہ یہ لوگ پیسے لے کر چلتے بنتے ہیں، تصویر نہیں دیتے۔ خیر میں تازہ دم ہو کر لوور میوزیم کے دوسرے حصّے دیکھنے کے لیے پھر واپس ہو گیا اور پھر خاصی دیر تک ان عجائب کو دیکھتا رہا اور ان لوگوں کی محنت اور سلیقے کی داد دیتا رہا۔

○

اولمپک کھیل

لاس اینجلز اولمپک مشعل سے جگمگا رہا ہے

ساجد علی ساجد

جولائی ۱۹۸۴ء امریکا کے خوب صورت شہر لاس اینجلز میں بیسویں اولمپک کھیل ہو رہے ہیں۔ یہ شہر ۱۹۳۲ء میں بھی اولمپک کھیلوں کا مرکز بن چکا ہے، مگر اس بار یہ کھیل اتنے بڑے پیمانے پر ہو رہے ہیں کہ پہلے کبھی نہیں ہوئے تھے۔ تقریباً ۱۵۰ ممالک ان کھیلوں میں حصّہ لے رہے ہیں۔

یہ کھیل سب سے پہلے ۱۸۹۶ء میں یونان کے تاریخی شہر ایتھنز میں کھیلے گئے تھے۔ ایتھنز میں پہلی بار دنیا کے تیس ملکوں کے کھلاڑی جمع ہوئے اور انھوں نے دس مختلف کھیلوں کے بیالیس مقابلوں میں حصّہ لے کر اولمپک کھیلوں کی بنیاد ڈالی تھی۔ قدیم یونان میں یہ کھیل وہاں کے مذہب اور ثقافت کا ہی ایک حصّہ تھے۔ اور یہ کھیل یونانی دیوتا زیوس کی خوشنودی کے لیے کھیلے جاتے تھے۔ ان کھیلوں
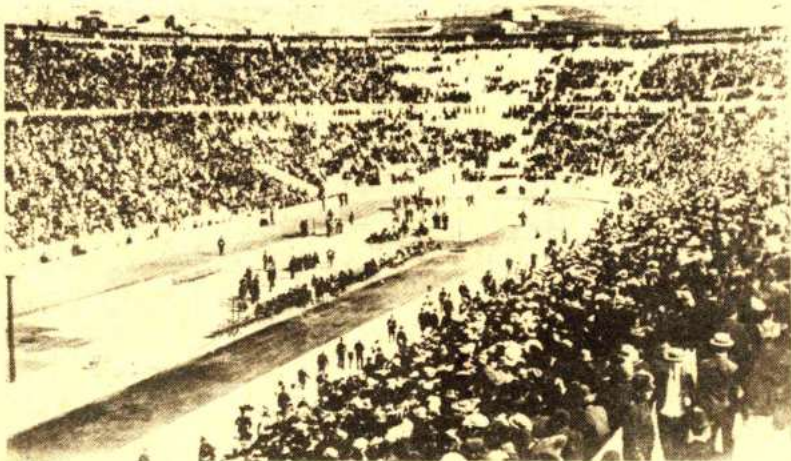
ایتھنز کا وہ مقام جہاں ۱۸۹۶ء میں اولمپک کھیلوں کے نئے دور کا آغاز ہوا۔ اسی جگہ ۱۹۰۶ء میں بھی اولمپک کھیل ہوئے۔ یہ تصویر ۱۹۰۶ء کی ہے۔

کو اولمپیاڈ کا نام دیا گیا، چوں کہ دیوتا زیوس اولمپس کے مقام پر رہا کرتا تھا۔ اسی لیے ان کھیلوں کا نام اولمپکس (OLYMPICS) پڑ گیا۔

ان کھیلوں کو ترقی دینے کے سلسلے میں فرانسیسی ماہر تعلیم بیرن پیری ڈی کوبرٹائن کا بھی نام لیا جاتا ہے۔ انھوں نے تعلیم اور اولمپکس کو ایک دوسرے سے منسلک کر دیا۔ ۱۸۹۲ء میں ایک تجویز منظور کی گئی، جس کے تحت انٹرنیشنل اولمپکس کمیٹی قائم ہوئی اور اس کی نگرانی میں ۱۸۹۶ء میں پہلے اولمپک کھیل ہوئے۔

اولمپک کھیلوں پر بہت بڑی رقم خرچ ہوتی ہے اسی لیے اب تک محض مال دار اور ترقی یافتہ ممالک ہی یہ کھیل کراتے رہے ہیں اب تک اولمپک کے مقابلے ۱۹ مرتبہ مندرجہ ذیل ممالک میں ہو چکے ہیں:۔

ایتھنز، یونان (۱۸۹۶ء) پیرس، فرانس (۱۹۰۰ء اور ۱۹۲۴ء) سینٹ لیوس، امریکا (۱۹۰۴ء) لندن، انگلستان (۱۹۰۸ء اور ۱۹۴۸ء) اسٹاک ہوم، سوئیڈن (۱۹۱۲ء) اینٹیورپ، بیلجیم (۱۹۲۰ء) ایمسٹرڈم، ہالینڈ (۱۹۲۸ء) لاس اینجلز، امریکا (۱۹۳۲ء) برلن، جرمنی (۱۹۳۶ء) ہیلسنکی، فن لینڈ (1951ء) ملبورن، اوسٹریلیا (۱۹۵۶ء) روم، اٹلی (۱۹۶۰ء) ٹوکیو، جاپان (۱۹۶۴ء) میکسیکو، (۱۹۶۸ء) میونخ، جرمنی (۱۹۷۲ء) مونٹریال، کینیڈا (۱۹۷۶ء) ماسکو، روس (۱۹۸۰ء)

اس فہرست سے بھی ظاہر ہے کہ دنیا کے مال دار ممالک ہی اولمپک کھیل اپنے ہاں کرانے کی ہمّت کر سکے ہیں۔ ایشیا میں صرف جاپان اور روس کو یہ اعزاز حاصل ہوا ہے۔

اخراجات

ایک اندازہ ہے کہ لاس اینجلز اولمپکس پر تقریباً پچاس کروڑ ڈالر خرچ ہوں گے اور اکیاون کروڑ ۳۲ لاکھ ڈالر کی آمدنی ہوگی۔ اس طرح اولمپک کھیلوں سے ڈیڑھ کروڑ ڈالر کے لگ بھگ بچت ہوگی۔ مونٹریال میں ۱۹۷۶ء میں جو اولمپک کھیل ہوئے تھے اُن میں ایک ارب ڈالر کا نقصان ہوا تھا۔ اسی سے سبق حاصل کر کے امریکا کی اولمپک کمیٹی نے سارے انتظامات کاروباری انداز سے کیے ہیں۔

اے بی سی ٹیلے وژن سے اولمپک کھیل ناظرین کو دکھانے کے عوض ساڑھے بائیس کروڑ ڈالر لیے گیے ہیں۔ اس کے علاوہ اولمپکس کے ٹکٹ اور یادگاری سکّے فروخت کیے گئے ہیں۔

اولمپکس سے تعلق رکھنے والی بہت ساری چیزیں کاروباری اداروں کے ہاتھ بیچ دی گئی ہیں اور ان اداروں کی مصنوعات کو اولمپکس کی سرکاری مصنوعات قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً بیوک کار اولمپکس کی سرکاری کار قرار دی گئی ہے۔ میکڈونلڈ امریکا کا ایک بڑا کاروباری ادارہ ہے، جس نے اولمپک کھیلوں کے لیے تیراکی کا ایک تالاب بنوا کر دیا ہے، اس کے عوض اسے اولمپک کھیلوں کے دوران اپنی چیزیں بیچنے کا حق مل گیا ہے۔ اس کے علاوہ لاس اینجلز میں ردّی کی ٹوکریاں تک معاوضہ لے کر تجارتی اداروں کے نام سے منسوب کر دی گئی ہیں۔

اولمپک مشعل

ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اولمپک مشعل ایتھنز سے لاس اینجلز لائی گئی ہے۔ اولمپک مشعل کا اندرونِ امریکا سفر خاصا لمبا کیا گیا اور اس کا ایک کلومیٹر دو ہزار پونڈ میں فروخت کیا گیا، یعنی دو ہزار پونڈ وصول کر کے اولمپک مشعل ہاتھ میں لے کر ایک کلومیٹر تک دوڑنے کا حق دیا گیا۔ یہ اولمپک

مارک اسپٹز نے ۷۲ء کے اولمپکس میں تیراکی کے ۷ طلائی تمغے (انفرادی و اجتماعی) جیتے۔ ایرک ہائیڈن نے ۱۹۸۰ء کے ماسکو اولمپکس میں "اسپیڈ اسکیٹنگ" کے ۵ طلائی تمغے حاصل کیے۔ ایک ہی بار میں ایک شخص کا ۵ طلائی تمغے جیتنے کا ایک نیا رکارڈ ہے۔

مشعل روایتی انداز میں ۲۸۔جولائی کو لاس اینجلز کے مرکزی اسٹیڈیم میں پہنچے گی۔
مہینوں پہلے ہی اولمپک کھیلوں کے سارے ٹکٹ فروخت ہو چکے تھے۔ دنیا بھر میں کتنے سارے لوگ اولمپک دیکھنا چاہتے ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ ٹکٹوں کے لیے جو رقم جمع کرائی گئی اُس سے لاس اینجلز کی اولمپک آرگنائزنگ کمیٹی کو یومیہ بہ طور سود تیس ہزار پونڈ کی آمدنی ہو گی۔ غیر قانونی طور پر اولمپکس کھیلوں کا ساٹھ پونڈ کا ٹکٹ بلیک میں بارہ سو پونڈ تک میں بکا ہے۔ سب سے زیادہ مانگ افتتاحی و اختتامی تقریب، اتھلیٹکس فائنل، تیراکی، جمناسٹک اور شو جمپنگ کے ٹکٹوں کی ہے۔

حفاظتی اقدامات

لاس اینجلز اولمپک میں زبردست حفاظتی انتظامات کیے گئے ہیں اور اس کام کے لیے دس کروڑ ڈالر کی رقم رکھی گئی ہے۔ یہ رقم پورے اخراجات کا پانچواں حصّہ ہے۔ کھیلوں کی نگرانی اور کھلاڑیوں کی حفاظت کے لیے پچاس ہزار افراد کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ سترہ ہزار افراد کو دس ہزار کھلاڑیوں کی حفاظت پر مامور کیا گیا ہے۔ کھلاڑیوں کو ۲۳ جگہ ٹھیرایا گیا ہے۔ عام طور پر تین ملکوں کے کھلاڑی مل کر ایک جگہ ٹھیرے ہیں۔
کھلاڑیوں کی حفاظت کے لیے چار فیٹ سات انچ قد کا روبوٹ تیار کیا گیا ہے، جو شاٹ گن چلاتا ہے اور بموں کو بے کار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ اولمپک کھیلوں کے تمام مراکز میں ٹی وی کیمرے لگائے گئے ہیں جو کھیلوں اور کھلاڑیوں کی نگرانی کریں گے۔

پاکستان کی شرکت

پاکستان کی طرف سے چالیس ارکان پر مشتمل دستہ لاس اینجلز گیا ہے، جس میں قومی ہاکی ٹیم کے علاوہ پہلوان، باکسرز، ایتھلیٹ اور کشتی رانی کی ٹیمیں شامل ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی کھلاڑی تمغہ جیتنے کا کارنامہ انجام دے سکتا ہے، لیکن پاکستان کو زیادہ اُمیدیں قومی ہاکی ٹیم سے ہیں، جو طلائی تمغہ جیت سکتی ہے۔ قومی ہاکی ٹیم کے مینیجر بریگیڈیر ایم ایچ عاطف۔ منظور جونیئر کپتان ہیں، جو رائٹ اِن کی پوزیشن پر کھیلتے ہیں۔ قومی ہاکی ٹیم مندرجہ ذیل کھلاڑیوں پر مشتمل ہے:

گول کیپر: شاہد علی خان، معین الدین۔ فل بیکس: توقیرڈار، ناصر نصیر۔ ہاف بیکس: عبد الرشید، ایاز محمود، اشتیاق اور نعیم اختر، فاورڈز: کلیم اللہ، منظور جونیئر، سلیم شیروانی، حسن سردار، حنیف خان، سعید خان۔

ٹونٹیئتھ سنچری فوکس جو دنیا میں فلم سازی کے بڑے اداروں میں سے ہے لاس اینجلز اولمپک کھیلوں کی فلم بنائے گا جو چھ مہینے بعد دنیا بھر میں دکھائی جائے گی۔ اس فلم کا مقصد لوگوں کو ایتھلیٹس کی زندگیوں کے بارے میں بتانا ہے کہ وہ کس طرح برسوں پہلے سے اولمپک کھیلوں کی تیاریاں کرتے ہیں۔ جب وہ اولمپک میں کام یابی یا ناکامی سے ہم کنار ہوتے ہیں تو ان پر کیا گزرتی ہے۔ اولمپک کھیلوں کی اس فلم کے لیے مشہور بین الاقوامی کھلاڑیوں سے انٹرویو کیے جا چکے ہیں۔ اس سلسلے میں جب ایک تیراک لڑکی میلیسا بیلوٹے ہیملین سے جس نے ۱۹۷۲ء کے اولمپک کھیلوں میں تین طلائی تمغے لیے تھے، بات کی گئی تو اس نے کہا کہ اولمپک میں شرکت بالکل ایسی ہے جیسے کوئی بچپن میں ایک خوب صورت خواب دیکھے اور پھر اس خواب کی حسین تعبیر حاصل ہو جائے۔

رومانیہ سے تعلق رکھنے والی جمناسٹک کی مشہور کھلاڑی نادیہ کمونیچی نے بھی جب وہ چھوٹی سی تھی تو ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک دن وہ اولمپک جائے گی اور سونے کا تمغہ جیتے گی۔ مونٹریال کینیڈا میں ہونے والے اولمپک میں شرکت سے نادیہ کا یہ خواب پورا ہو گیا۔ اس نے جمناسٹک کے مقابلوں میں حصّہ لیا۔ سب لوگ اس تیرہ سالہ لڑکی کے کرتب دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔ اسے جمناسٹک کی شہزادی قرار دیا گیا۔ لوگوں کا خیال تھا جب نادیہ بڑی ہو گی تو اس سے بڑے کارنامے دکھائے گی، مگر نادیہ بڑی ہو کر اور چھوٹی ہو گئی، کیوں کہ وہ ماسکو اولمپک میں ناکام ہو گئی۔ اس کے خواب کچھ پورے ہوئے اور کچھ پورے نہ ہو سکے۔ اب سُنا ہے نادیہ نے فیصلہ کیا ہے کہ اولمپک نہیں جائے گی، کیوں کہ وہ جتنے تمغے جیت چکی ہے اور جتنی شہرت حاصل کر چکی ہے وہی اس کے لیے کافی ہے۔

یہ تھی نادیہ کی کہانی۔ ہر مرتبہ اولمپک میں ایسی کئی کہانیاں شروع ہوتی ہیں اور کئی ختم ہوتی ہیں۔ اس بار بھی لاس اینجلز اولمپکس میں بہت سے کھلاڑی اُبھریں گے اور بہت سے ڈوبیں گے اور ہمیں بہت سی نئی کہانیاں سُننے کو ملیں گی۔

کھلونے جان دار ہوتے ہیں

منظر امکانی

"فارعہ! دیکھ لینا تمھیں کسی دن یوں کھلونے توڑنے کی سزا ضرور ملے گی"، فہمیدہ نے نئی گڑیا کے ٹوٹے ہوئے حصّے اٹھاتے ہوئے روہانسی آواز میں کہا۔

"سزا! ارے باجی چھوڑیے، مجھے کون سزا دے گا؟ جب امّی اور ابّو کچھ نہیں کہتے ہیں تو پھر یہ بے جان کھلونے کیا سزا دیں گے۔" فارعہ نے طنزاً کہا۔

"ہاں، کھلونے تمھیں ضرور سزا دیں گے۔" فہمیدہ نے بڑے یقین سے کہا۔

"کھلونے سزا دیں گے؟" باجی یوں لگتا ہے آج آپ کو کلاس میں کچھ زیادہ ہی سزا ملی ہے، اس لیے آپ کو کھلونے بھی جان دار دکھائی دے رہے ہیں۔" فارعہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم میری بات مانو، تمھیں کھلونے سزا ضرور دیں گے۔" فہمیدہ نے بڑے یقین کے ساتھ کہا۔
فارعہ نے جواب دیے بغیر پلاسٹک کا ایک گھوڑا اٹھایا اور اس کا سَر الگ کر کے دُور پھینک دیا اور زور سے ہنسنے لگی۔

فہمیدہ اور فارعہ آپس میں حقیقی بہنیں تھیں۔ فہمیدہ کی عمر سات سال اور فارعہ کی عمر پانچ سال تھی۔ دونوں بہنوں کے مزاج میں بڑا فرق تھا۔ فہمیدہ جس قدر بھولی بھالی اور رحم دل تھی۔ فارعہ اسی قدر لڑاکو اور شریر۔ ان کے والد آئے دن نت نئے کھلونے لاتے۔ فارعہ تھوڑی دیر ان سے کھیلتی پھر انھیں توڑ پھوڑ کر پھینک دیتی۔ اس کا یہ معمول صرف اپنے کھلونوں کے ساتھ نہیں تھا۔ فہمیدہ کے کھلونے بھی ہاتھ لگ جاتے تو وہ ان کے ساتھ یہی سلوک کرتی۔ فہمیدہ بے چاری اپنے کھلونوں کو اِدھر اُدھر چھپا دیتی، لیکن فارعہ انھیں کسی نہ کسی طرح تلاش کر لیتی۔ فہمیدہ جب کبھی اپنے ابّو امّی سے شکایت کرتی تو وہ فارعہ پر خفا ہونے کے بجائے فہمیدہ سے نئے کھلونے لانے کا وعدہ کر لیتے۔ والدین کے اس رویّے سے فارعہ کی ہمّت اور بڑھ جاتی اور وہ اپنی مَن مانی کرتی رہتی۔

گرمیوں کے دن تھے۔ فہمیدہ تو اسکول سے آنے کے بعد کھانا کھا کر بستر میں لیٹ گئی، مگر فارعہ کھلونے نکال کر ان سے کھیلنے لگی۔ کھیل کے دوران وہ جس کھلونے سے اُکتا جاتی اُسے توڑ پھوڑ کر کوڑے دان میں پھینک دیتی۔ اچانک فارعہ کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اگر وہ فہمیدہ کے سارے کھلونے توڑ دے تو کتنا مزہ آئے گا۔ فارعہ کو اپنی بڑی بہن کو تنگ کرنے میں ہمیشہ مزہ آتا تھا۔

یہ خیال آتے ہی وہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور فہمیدہ کے کھلونے تلاش کرنے لگی۔ فہمیدہ نے کھلونے ایسی جگہ چھپا دیے تھے جہاں فارعہ آسانی سے نہیں پہنچ سکتی تھی۔

فارعہ نے ان تمام جگہوں کو دیکھ لیا جہاں فہمیدہ کے کھلونے ملنے کی اُمید تھی، لیکن اسے کام یابی نہیں ہوئی۔ فارعہ جب کافی تھک گئی تو اپنے کھلونوں کے پاس گئی اور ایک کے بعد دوسرا کھلونا توڑ کر کوڑے دان کی جانب پھینکتی رہی۔ اس نے جب آخری کھلونے کو کوڑے دان
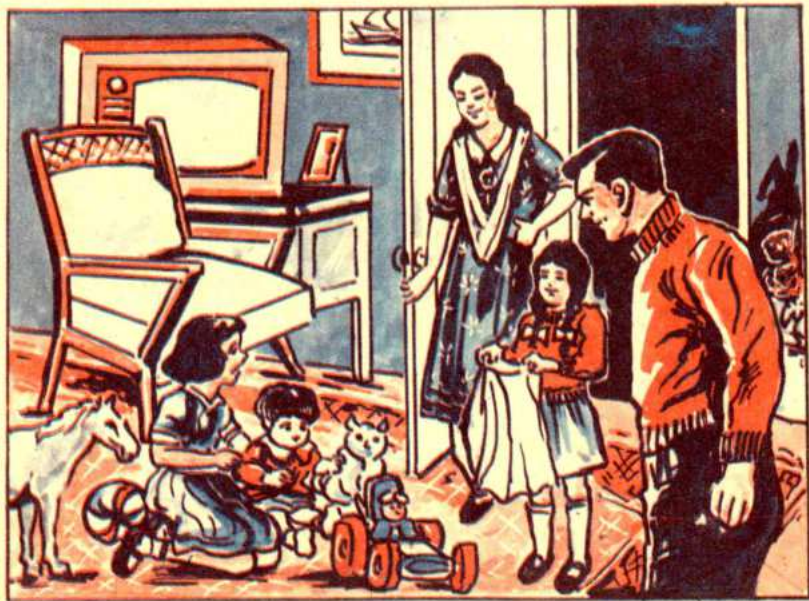
فارعہ اسکول سے آنے کے بعد کھلونے نکال کر کھیلنے لگی۔

کی جانب پھینکا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوڑے دان میں سرگوشیاں ہو رہی ہیں۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر کوڑے دان کے قریب آئی تو اس نے ٹوٹے ہوئے کھلونوں کی آنکھوں کو انگاروں کی مانند دہکتے محسوس کیا۔ وہ تیزی سے پیچھے کی جانب مڑی، لیکن اس کے مُڑنے سے پہلے ہی کوڑے دان سے ایک ٹوٹی ہوئی گڑیا کا ہاتھ فارعہ کے کندھے پر آگیا اور وہ اپنی جگہ ساکت ہو گئی۔

فارعہ اس قدر خوف زدہ ہو گئی کہ اس نے پوری قوت سے فہمیدہ کو آواز دینا چاہی، مگر اس کی آواز گلے سے باہر نہ نکلی۔ کوڑے دان سے دوسرے کھلونے بھی باہر نکل آئے۔ ان سب کے چہروں پر فارعہ کی توڑ پھوڑ سے پہنچنے والی تکلیف نمایاں تھی اور ان کے چہرے غصّے سے سرخ ہو رہے تھے۔ اس گڑیا نے جس کا ہاتھ فارعہ کے کندھے پر تھا فارعہ کو آگے کی طرف دھکیل دیا۔ فارعہ بے جان کھلونے کی طرح آگے بڑھ گئی۔

سارے کھلونے کمرے سے نکل کر سڑک پر آگئے جو اس وقت بالکل سنسان تھی۔ فارعہ کے گھر سے کچھ ہی دور سمندر تھا۔ ساحل پر ایک کشتی کھڑی ہوئی تھی۔ بڑی گڑیا نے فارعہ کو اٹھا کر کشتی میں ڈال دیا اور پھر سارے کھلونے اس میں سوار ہو گئے اور کشتی چل پڑی۔ کشتی سمندر میں جوں جوں آگے بڑھ رہی تھی فارعہ کا خوف کے مارے بُرا حال ہو رہا تھا۔

کئی گھنٹے گزر گئے، مگر ان کا سفر ختم نہیں ہوا۔ فارعہ کو شدید پیاس محسوس ہوئی۔ پیاس جب بہت بڑھ گئی تو فارعہ نے قریب کھڑے ہوئے ایک کھلونے کو چھوا۔ وہ موٹر سائکل سوار تھا جسے فارعہ کے ہاتھوں نے کئی دفعہ اِدھر اُدھر پھینکا تھا۔ موٹر سائکل سوار نے شدید نفرت سے فارعہ کا ہاتھ جھٹک دیا اور دوسری جانب دیکھنے لگا۔ فارعہ نے پلاسٹک کے اس گھوڑے کو چھوا جس کے جسم میں اس نے کئی سُوراخ کر دیے تھے اور آج ہی اس کی ایک ٹانگ توڑی تھی۔ گھوڑے نے فارعہ کے یوں متوجہ ہونے پر ایک دولتّی رسید کی جس پر فارعہ درد سے چیخ اُٹھی، مگر اس کی چیخ پر کسی نے توجہ نہیں دی۔

شام کے سائے گہرے ہو گئے تو کشتی کا رُخ بائیں جانب موڑ دیا گیا اور کچھ دیر کے بعد کشتی کنارے پر رُک گئی۔ کشتی میں سوار کھلونے اُترنے لگے۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ رات بسر کرنے کے لیے یہاں ٹھیرے ہیں۔ فارعہ کو کسی نے کشتی سے اُترنے کے لیے نہیں کہا۔ کھلونوں کے اُترنے کے بعد فارعہ نے کشتی میں کھڑے ہو کر دیکھا تو وہ اسے ایک ویران علاقہ لگا۔ ساحل سے کچھ دُور

درخت ہی درخت تھے۔ فارعہ کو شدّت سے بھوک لگ رہی تھی۔ کشتی میں کھانے پینے کا کوئی سامان نہیں تھا۔ اندھیرا گہرا ہو گیا تھا۔ اس لیے یہ اندازہ نہیں تھا کہ کھلونے اسے کشتی میں چھوڑ کر کہاں چلے گئے ہیں۔ کشتی کے آس پاس کوئی نہیں تھا۔ فارعہ نے سوچا کہ وہ کشتی سے اُتر کر کہیں چھپ جائے تا کہ وہ ان کھلونے کی سزا سے بچ جائے۔ وہ بڑی ہمت کر کے کشتی سے باہر آئی پھر وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی کہ کھلونے کس طرف گئے ہیں۔ جب اسے کوئی کھلونا دکھائی نہیں دیا تو وہ دبے پاؤں درختوں کی طرف چلنے لگی۔ کچھ دُور آگے اسے آگ روشن دکھائی دی اور آوازیں بھی سنائی دیں۔ فارعہ سمجھ گئی کہ کھلونے یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ چناں چہ وہ دوسری طرف بڑھتی گئی۔ چلتے ہوئے وہ اس بات کا اطمینان کر لیتی تھی کہ کوئی اس کے پیچھے تو نہیں آ رہا۔ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ وہ کافی دُور نکل آئی ہے تو وہ ایک جگہ رُک گئی۔

اسے اپنا گھر شدّت سے یاد آ رہا تھا جہاں اس کا نرم و گرم بستر اور مزے دار کھانے تھے۔ وہ اپنے گھر کو یاد کر کے رونے لگی اور پھر روتے روتے سو گئی۔ جب اس کی آنکھ کُھلی تو دن کی روشنی

فارعہ کو کچھ دور آگ جلتی ہوئی دکھائی دی

پھیل چکی تھی۔ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ دُور دُور تک کوئی نہیں ہے تو وہ درختوں میں سے نکل کر کھلے میدان میں آ گئی۔ راستہ چلتے ہوئے اسے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔ وہ تو بس یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔ اچانک اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی بڑے سے تخت پر بیٹھ گئی ہے اور یہ تخت اوپر کی طرف اُٹھ رہا ہے۔ فارعہ کے پورے بدن میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ کچھ لمحے بعد اس کے حواس درست ہوئے تو اُس نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک خوف ناک چہرہ ہے اور وہ اس کے لمبے چوڑے ہاتھ پر بیٹھی ہوئی ہے۔ شاید یہ کوئی جن ہے۔ اس کے ذہن میں اچانک خیال آیا۔ وہ اکثر کہانیوں میں جنوں کے بارے میں سُن چکی تھی کہ وہ بہت بڑے ہوتے ہیں۔ بڑے آدمی بھی ان جنوں کے مقابلے میں بونوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ وہ تو ابھی پانچ سال ہی کی تھی۔ جن کے ہاتھ پر وہ چھوٹی سی گڑیا لگ رہی تھی۔ جن اسے ہاتھ میں اُٹھائے ہوا میں اُڑ رہا تھا۔ وہ زمین سے کافی بلندی پر پہنچ گئی تھی۔ کچھ دیر کے بعد فارعہ نے دیکھا کہ وہ ایک ایسی بستی میں پہنچ گئی ہے جہاں اس جیسے بڑے قد کے ان گنت جن اِدھر اُدھر گھوم رہے ہیں۔ جن اُسے لے کر ایک عالی شان مکان میں داخل ہوا جہاں ایک خوب صورت عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا قد بھی بہت بلند تھا۔ فارعہ ابھی تک جن کے ہاتھ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ جن نے اپنا ہاتھ عورت کی طرف بڑھاتے ہوئے بڑے زور دار لہجے میں کہا، "دیکھو میں کیسی گڑیا لایا ہوں۔" عورت نے فارعہ کو بہ غور دیکھا اور بولی، "واقعی یہ تو بڑی اچھی گڑیا ہے۔ کہاں سے لائے؟" جن نے فارعہ کے ملنے کی تفصیل اور وجہ بتائی۔ اس نے کسی کو آواز دی۔ تھوڑی دیر میں ایک خوب صورت سی لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔ یہ شاید جن کی بیٹی تھی۔ اس کا قد بھی عام انسانوں سے بڑا تھا۔ جن نے ہاتھ پر بیٹھی ہوئی فارعہ کو اس کی طرف بڑھایا۔ لڑکی فارعہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور اسے اپنی ہتھیلی پر کھڑا کر لیا اور اپنی ایک انگلی بڑے پیار سے اس کے بالوں میں پھیرنے لگی۔ جن اپنی بیٹی کو مسکراتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوا۔

جن کی بیٹی فارعہ کو اپنی ہتھیلی پر اُٹھائے اپنے کمرے میں آ گئی۔ فارعہ نے دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑے کمرے میں ہے۔ لڑکی نے ایک بڑے سے بستر پر فارعہ کو کھڑا کر دیا اور اس سے کھیلنے لگی۔ کچھ دیر کے بعد لڑکی نے فارعہ کو بڑی احتیاط سے ایک کونے میں کھڑا دیا اور چلی گئی۔ فارعہ کونے میں ساکت کھڑی رہی۔ وہ اس کی موجودگی میں چلنا پھرنا نہیں چاہتی تھی۔ البتہ جب رات

ہوئی تو وہ اپنی جگہ سے چل کر اِدھر اُدھر گھومنے لگی۔ اسے بہت زور کی بھوک لگ رہی تھی۔ تھوڑی سی کوشش سے فارعہ کو وہ جگہ مل گئی جہاں کھانے پینے کا سامان بڑے بڑے برتنوں میں رکھا ہوا تھا۔ اسے جو کچھ ملا کھا گئی اور پانی پی کر دوبارہ اسی جگہ لیٹ کر سو گئی۔

دوسری صبح جن کی بیٹی نے فارعہ کو بڑی احتیاط سے اٹھایا اور باہر آکر اس سے کھیلنے لگی۔ یہ لڑکی فارعہ کے چلنے پھرنے سے بہت خوش تھی۔ پھر وہ فارعہ کو لے کر دوسری لڑکی کے گھر آئی۔ یہاں بھی اسی قدوقامت کی بہت سی لڑکیاں تھیں۔ انھوں نے بھی فارعہ کو بہت پسند کیا۔ فارعہ نے سمجھ لیا تھا کہ ساری لڑکیاں اسے کھلونا سمجھ کر کھیل رہی ہیں۔ ویسے بھی وہ ان لڑکیوں کے سامنے کھلونا ہی تھی۔ لڑکیاں کافی دیر تک فارعہ سے کھیلتی رہیں۔ پھر وہ لڑکی جو فارعہ کو لے کر آئی تھی اسے اپنے گھر لے آئی۔ اس گھر میں ایک اور لڑکی بھی رہتی تھی۔ یہ جن کی دوسری بیٹی تھی جو کل موجود نہیں تھی۔ اس لڑکی کے چہرے پر وہ معصومیت نہیں تھی جو اس کی بہن کے چہرے پر تھی۔ اس سخت مزاج لڑکی

فارعہ کو محسوس ہوا جیسے وہ بہت بڑے جن کے ہاتھ پر بیٹھی ہوئی ہے۔

نے جو پہلی لڑکی سے چھوٹی تھی اپنی بڑی بہن کی ہتھیلی سے فارعہ کو اس قدر زور سے اٹھایا کہ فارعہ کا پورا بدن درد کرنے لگا۔ چھوٹی لڑکی نے بڑی بے دردی سے اپنی انگلیوں کو پھیرا اور پھر فارعہ کے بالوں کو مٹھی میں لے کر اُسے ہوا میں لہرانے لگی، جس سے فارعہ کو بے پناہ تکلیف ہوئی۔ بڑی لڑکی نے اچانک فارعہ کو اپنی چھوٹی بہن سے چھین لیا اور اس کی اس حرکت پر اسے سمجھانے لگی۔ بڑی لڑکی اسے اپنی ہتھیلی پر اٹھائے ہوئے اپنے کمرے میں آگئی اور فارعہ کو اپنے بستر پر بٹھا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد چھوٹی لڑکی بھی کمرے میں آگئی اور اسے بستر سے اُٹھا کر کونے میں پھینک دیا۔ فارعہ کو یوں پھینکے جانے پر بے حد تکلیف ہوئی۔ بڑی لڑکی نے اپنی چھوٹی بہن کو غصے سے دیکھا اور اسے اس کی حرکت پر پھر سمجھایا۔ اس پر چھوٹی لڑکی زور سے ہنسنے لگی۔ فارعہ کو اپنی بہن فہمیدہ یاد آگئی جو کھلونوں کی توڑ پھوڑ پر ہمیشہ اسے سمجھایا کرتی تھی اور فارعہ بھی جواباً اسی طرح ہنسنے لگتی تھی۔ اب اس کے ساتھ بھی وہی سلوک ہو رہا تھا۔

دوسرے روز جب فارعہ کی آنکھ کھلی تو بڑی لڑکی کمرے میں موجود نہیں تھی۔ فارعہ نے سوچا اگر بڑی لڑکی کی غیر موجودگی میں وہ چھوٹی لڑکی کے ہاتھ لگ گئی تو وہ ضرور اس کے ہاتھ پاؤں توڑ دے گی۔ اس خیال ہی سے وہ کانپ گئی۔ فارعہ اپنی خیر کی دعائیں مانگ رہی تھی کہ چھوٹی لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔ اسے دیکھتے ہی فارعہ کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ اب اس کی خیر نہیں ہے۔ چھوٹی لڑکی نے اپنی مٹھی میں فارعہ کے بال پکڑ کر اُسے اٹھایا اور ہوا میں لہراتی ہوئی باہر لے گئی، جہاں کئی دوسری لڑکیاں موجود تھیں، لیکن وہ معصوم صورت اور محبّت کرنے والی بڑی لڑکی موجود نہیں تھی۔ یہ لڑکیاں اس کی سہیلیاں تھیں، جنھیں وہ فارعہ کو دکھانے لائی تھی۔ ان لڑکیوں نے بھی فارعہ کو اٹھانے میں کسی قسم کی احتیاط نہیں برتی۔ وہ فارعہ کو ایک دوسرے کی طرف گیند کی طرح اُچھال کر پھینک رہی تھیں۔ جس سے فارعہ کو بہت تکلیف پہنچ رہی تھی۔

فارعہ نے اچانک محسوس کیا کہ اس کی بائیں ٹانگ پر انگلیوں کی گرفت مضبوط ہوتی جا رہی ہے۔ اس نے دیکھا کہ چھوٹی لڑکی کھیلتے کھیلتے اُکتا کر اس کی ٹانگ توڑنا چاہتی ہے۔ فارعہ نے شدید درد کے عالم میں اپنی پوری قوت سے چیخ کر کہا، "خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو!" چھوٹی لڑکی نے فارعہ کو روتے ہوئے دیکھا تو اس کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ دوسری لڑکیاں بھی فارعہ کی اس

حرکت پر ہنسنے لگیں۔ اب اس چھوٹی لڑکی نے فارعہ کی ٹانگ چھوڑ کر ہاتھوں کو مضبوطی سے دبایا۔ فارعہ نے محسوس کیا کہ اس کے ہاتھوں کو اگر مزید دبایا گیا تو اس کے دونوں ہاتھ الگ ہو جائیں گے۔ اس نے درد سے چلّاتے ہوئے اپنے دونوں پیروں کو ملا لیا۔ فارعہ کی اس حرکت پر ساری لڑکیاں زور زور سے ہنسنے لگیں۔ چھوٹی لڑکی نے اب فارعہ کے ہاتھ چھوڑ کر اس کی بائیں ٹانگ کو دبایا۔ فارعہ نے محسوس کیا کہ اس کی بائیں ٹانگ ٹوٹ رہی ہے۔ وہ شدید درد سے چلّائی، "خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو۔ میری ٹانگ الگ ہو رہی ہے۔ خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔" فارعہ کی آواز مزید بلند ہو گئی اور وہ رونے لگی۔ "فارعہ .... فارعہ کیا ہوا؟......" فارعہ کے ابّو نے زمین پر لیٹی ہوئی فارعہ کو ہلاتے ہوئے کہا۔ فارعہ کے چلّانے کی آواز سے اس کی امّی اور بڑی بہن بھی اس کے پاس آگئیں۔ فارعہ نے آنکھیں کھولیں تو اس کے سامنے اس کے ابّو امّی اور بڑی بہن فہمیدہ تھے۔ اس نے روتے ہوئے کہا، "ابّو! جن کی چھوٹی لڑکی نے میری ٹانگ توڑ دی ہے...... مجھے بچائیے۔"

"جن کی چھوٹی لڑکی!" فارعہ کی امّی نے حیرانی سے کہا۔

"شاید خواب میں ڈر گئی ہے۔" فارعہ کے ابّو بولے۔

اس کے ابّو نے اسے بڑے پیار سے اٹھایا۔ فارعہ نے دیکھا کہ کچھ کھلونے اس کے پاس بکھرے ہوئے پڑے ہیں اور کچھ کوڑے دان میں تھے جنھیں اس نے توڑ کر پھینک دیا تھا۔ ان ٹوٹے ہوئے کھلونوں کے چہرے پر فارعہ کو وہی اذیّت محسوس ہوئی جس سے وہ گزری تھی۔ وہ اپنے ابّو کی گود سے تیزی سے اُتری اور کوڑے دان سے ان ٹوٹے ہوئے کھلونوں کو بڑے پیار سے اٹھانے لگی۔ فارعہ کی اس حرکت پر سب حیرانی سے اُسے دیکھ رہے تھے۔ ٹوٹے ہوئے کھلونوں کو کوڑے دان سے نکال کر فارعہ اپنی بڑی بہن کے پاس آئی اور بولی، "باجی، آپ ٹھیک کہتی تھیں کہ کھلونے مجھے توڑ پھوڑ پر سزا دیں گے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ کبھی کھلونوں کے ساتھ بُرا سلوک نہیں کروں گی۔"

آپ اپنے دماغ کی آنکھ سے کیا دیکھ سکتے ہیں

ایک سیر سیسہ اور ایک سیر روئی میں سے کون سی چیز زیادہ وزنی ہوگی؟ ہر شخص کو جواب معلوم ہے۔ یعنی دونوں کا وزن برابر ہوگا، لیکن سوال سُن کر آپ کے ذہن میں کس قسم کی تصویر اُبھری؟

آپ کو ترازو میں ایک طرف سیسہ رکھا نظر آئے گا اور دوسری جانب روئی کا ڈھیر دکھائی دیا ہوگا یا پھر کوئی تصویر نظر آئی ہوگی اور آپ نے صرف الفاظ کے بارے میں غور کیا ہوگا۔

ہر شخص کے ذہن میں تصویریں بنانے کی طاقت مختلف ہوتی ہے۔ کئی برس گزرے ایک سائنس داں نے اپنے دوستوں سے پوچھا کہ صبح کو آپ نے جو ناشتا کیا تھا ذرا اس کے بارے میں تصور کیجیے۔ کچھ دوستوں نے ناشتے کی میز پر رکھی ہوئی ہر چیز کو خوب واضح طور پر دیکھا۔ یہاں تک کہ ہر چیز کا رنگ بھی ان کو نظر آیا۔ اس کے برعکس کچھ دوستوں نے محض سرسری طور پر دیکھا اور بعض ایسے بھی تھے جو صرف ایک دھندلی سی تصویر دیکھ سکے۔ بہت سے ایسے بھی تھے جو کچھ بھی نہ دیکھ سکے۔ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ زیادہ تر لوگ پیدائشی طور پر تو اپنے ذہن کی آنکھ سے گزرے ہوئے واقعات کی تصویر دیکھ سکتے ہیں، لیکن جب وہ بڑے ہو جاتے ہیں تو وہ یہ صلاحیت کھو بیٹھتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ لوگ کافی مشق نہیں کرتے۔ اس کے باوجود گزری ہوئی باتوں کو اس طرح سے یاد کر لینا بڑا مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

بڑوں کے مقابلے میں بچّے گزری ہوئی باتوں کی تصویر کہیں بہتر بنا لیتے ہیں۔ ایک بار ایک لڑکے کو ایک مگرمچھ کی تصویر دکھائی گئی۔ مگرمچھ کا منھ کُھلا ہوا تھا۔ سال بھر کے بعد لڑکے سے پوچھا گیا کہ مگرمچھ کے کتنے دانت تھے۔ تو لڑکے نے اپنی یادداشت کے ذریعے سے اپنے ذہن میں تصویر بنالی اور مگرمچھ کے دانتوں کی صحیح صحیح تعداد بتادی۔ کیا آپ

بچے بھی ایسا کر سکتے ہیں۔

بعض بڑی عمر کے لوگ بھی ایسا کر سکتے ہیں۔ شطرنج کے عظیم کھلاڑی اپنی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر پندرہ بیس بازیاں بہ یک وقت کھیل سکتے ہیں۔

اس قسم کے کھلاڑی ایک ایک کر کے ہر بساط کو اپنے ذہن میں دیکھ لیتے ہیں۔ پچھلی چال کے بعد تمام مُہرے جہاں پر تھے وہ انھیں دکھائی دے جاتے ہیں۔ ریاضی داں بھی اس سلسلے میں بہت تیز ہوتے ہیں۔ وہ پیچیدہ سوالات کو اس طرح سے اپنے تصور میں لے آتے

ہیں کہ جیسے بلیک بورڈ پر لکھے ہوئے ہوں۔ لہٰذا ان کو جواب "لکھا" ہوا دکھائی دے جاتا ہے۔ ان کو صرف اتنا کرنا ہو گا کہ جواب کو "پڑھ دیں"۔ اب آئندہ جب آپ کو کوئی جمع یا تفریق کا سوال کرنا ہو تو ان ہندسوں کو اپنے ذہنی بلیک بورڈ پر لکھ ڈالیے اور کاغذ پنسل کے بغیر جواب حاصل کرنے کی کوشش کیجیے۔

ایک مشہور جج کی یادداشت نہایت حیرت انگیز تھی۔ ایک مرتبہ انھوں نے شارٹ ہینڈ لکھنے والے کو ایک تقریر لکھوائی۔ دو گھنٹے بعد انھوں نے کاغذ پر نظر ڈالے بغیر پوری تقریر کر ڈالی۔ یہ تقریر تقریباً آدھے گھنٹے کی تھی اور انھوں نے محض اپنی یادداشت کے ذریعے سے یہ تقریر پوری کر لی۔

آپ بھی اپنے ذہن کی آنکھ کو بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ اگر آپ کو نام اور چہرے یاد کرنے میں دشواری ہوتی ہے تو ایسا کیجیے کہ اب جو اجنبی دکھائی دے تو اس کے چلے جانے کے بعد اس کے چہرے کو اپنے ذہن میں دیکھنے کی کوشش کیجیے یا ایسا کیجیے کہ اسی صفحے پر کسی سطر کا نچلا حصہ دو تہائی چھپا دیجیے۔ صرف اوپر کے الفاظ کے ذریعے سے باقی ماندہ الفاظ دیکھنے کی کوشش کیجیے۔

رُڈیارڈ کپلنگ (RUDYARD KIPLING) نے اپنی مشہور کتاب "کم" (KIM) میں بیان کیا ہے کہ ایک ہندُستانی جاسوس نے "کم" اور ایک دوسرے لڑکے کو کس طرح تربیت دی۔ اس نے ان لڑکوں کے سامنے ایک کشتی رکھ دی جس میں تین مختلف جواہرات رکھے ہوئے تھے۔ لڑکوں کو صرف چند سکنڈ تک دیکھنے کی اجازت دی گئی۔ اس کے بعد جواہرات کو ڈھانپ دیا گیا۔ لڑکوں نے جو کچھ دیکھا تھا اس کو بیان کیا۔ پہلی بار "کم" نے جو کوشش کی تو وہ تمام جواہرات کے نام نہ بتا سکا، لیکن دوسرے لڑکے نے بالکل ٹھیک ٹھیک بتا دیے۔ اس لڑکے کو کئی مہینے سے تربیت دی جا رہی تھی۔

آپ بھی اپنے دوستوں کے ساتھ اسی طرح کھیل سکتے ہیں۔ جواہرات کے بجائے آپ گھریلو استعمال کی مختلف چیزیں ایک ٹرے میں رکھ سکتے ہیں۔ اپنے دوستوں کو صرف تیس سکنڈ تک دیکھنے دیجیے اور پھر اس کو کپڑے سے ڈھانک دیجیے۔ جو لڑکا ٹرے میں رکھی ہوئی تمام چیزوں کے نام صحیح صحیح بتا دے۔ وہ جیت گیا۔

خرگوش بادشاہ بن گیا

سیکڑوں سال پہلے کا ذکر ہے کہ ایک بہت بڑے ملک میں زبردست قحط پڑا۔ ہوا یہ کہ دو سال تک برسات کے موسم میں بھی بارشیں نہیں ہوئیں۔ جس سے تمام دریاؤں اور ندیوں میں پانی ختم ہو گیا۔ تالاب اور چشمے سوکھ گئے۔ جب پانی ہی نہ رہا تو کھیتی باڑی کیسے ہوتی؟ ملک بھر میں کہیں اناج پیدا نہیں ہوا۔ لوگ بھوک کے مرنے لگے۔ انسان بے چارے تو یہ ملک چھوڑ کر چلے گئے، لیکن جنگل کے جانور کہاں جاتے؟ وہ سب کے سب بے چارے بھوک کے مرنے لگے۔ جنگل کا بادشاہ شیر بھی بے بس ہو گیا۔ پہاڑ بھی گویا پیاس سے بے چین رہنے لگے۔ اونٹوں کے کوہانوں میں پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔

ہرن، بارہ سنگھے اور چھوٹے پرندے بھوک سے تڑپ تڑپ کر مرنے لگے۔ آخر ایک دن جنگل کے تمام جانوروں نے مل کر خدا سے دُعا کی:

"اے اللہ! ہم پر رحم کر۔ ہم بھوکے مَر رہے ہیں۔ تیرے سوا کوئی ہماری مدد نہیں کر سکتا۔"

اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کی دُعا سنی، اُسے ان پر رحم آ گیا، لیکن شاید خدا کی مرضی یہ تھی کہ یہ جانور اپنی مدد آپ کریں۔ اس لیے بارش پھر بھی نہیں ہوئی۔ البتہ سب جانوروں کو ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے چپکے سے ان کے کان میں کہہ دیا ہو کہ سب آپس میں مل کر مشورہ کرو اور اپنی مصیبت کا حل خود تلاش کرو۔ چناں چہ بارہ سنگھے نے کہا:

"بھائیوں! پانی تلاش کرنے کے لیے ہمیں خود کوشش کرنی چاہیے۔ خدا بھی اُن ہی کی مدد کرتا ہے جو خود اپنی مدد کرنا جانتے ہیں۔ جنگل تو سوکھا ہوا ہے۔ ہم خود بھاگ دوڑ نہیں کریں گے تو ہمیں پانی بھی نہیں ملے گا۔ ہم خود کوشش کریں گے تو خدا بھی ہماری مدد کرے گا۔"

بارہ سنگھے کی بات تمام جانوروں کی سمجھ میں آ گئی۔ چناں چہ بھائی مرغے اور بی قاز سے کہا گیا کہ وہ جنگل کے تمام جانوروں کو اطلاع کر دیں کہ شام کو جنگل کے تمام جانوروں کا جلسہ ہوگا۔ اس جلسے میں یہ سوچا جائے گا کہ اگر کھانا نہیں ملتا تو کم از کم پانی ہی تلاش کیا جائے اور اس کے لیے کوئی اچھا سا طریقہ سوچا جائے۔

جنگل کے جانور انسان تو تھے نہیں کہ ہر ایک صرف اپنے آپ کو عقل مند سمجھ لیتا اور جلسے میں نہ آتا یا دیر سے آتا۔ سب جانور ٹھیک وقت پر جمع ہو گئے۔ جلسہ شروع ہوا تو ہرن نے جلسہ بُلانے کی وجہ بتائی۔ ہرن کی تقریر سُن کر بی لومڑی کھڑی ہوئیں۔ بی لومڑی تو ہوتی ہی چالاک ہیں اور پھر خوشامدی بھی۔ انھوں نے شاید دل میں سوچا ہو گا کہ جنگل کے بادشاہ شیر کو خوش کرنے کا یہ بہترین موقع ہے۔ اگر اس وقت شیر کو خوش کر دیا جائے تو وہ آگے چل کر بھی لومڑی کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ چناں چہ اُس نے کہا:

"دوستو! ہم بلاوجہ یہاں جمع ہوئے ہیں۔ جب ہم سب کے بادشاہ شیر اور ببر شیر موجود ہیں تو ہمیں پریشان ہونے کے بجائے سب سے پہلے اپنے بادشاہ سے کہنا چاہیے کہ وہ اس مصیبت کو دُور کرے۔"

"واہ بھئی!" منھ پھٹ توتے نے کہا، "شیر ہمارے کس کام آئے گا۔ وہ خود تو گھنے جنگل میں بھوکا

پیاسا پڑا ہے۔ اُس سے تو اُٹھا بیٹھا بھی نہیں جاتا۔"

"ہمیں ایسے بادشاہ کی ضرورت نہیں جو مصیبت میں ہمارے کام نہ آسکے۔ ہمیں تو اپنا کوئی نیا بادشاہ چُن لینا چاہیے۔ ایسا بادشاہ جو مصیبت میں ہمارے کام آسکے۔" درخت پر بیٹھی ہوئی مینا بولی۔

"لیکن دوستو! شیر تو....." لومڑی نے پھر کچھ کہنا چاہا، لیکن شیر نے دہاڑ مار کر اُسے ڈانٹ دیا اور کہنے لگا:

"جنگل کے جانور ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ سب کو اپنا نیا بادشاہ چُن لینا چاہیے۔ منھ پھٹ توتے نے بھی بالکل ٹھیک کہا ہے کہ میں خود تو بھوک پیاس سے نڈھال ہو رہا ہوں۔ میں سب جانوروں کے لیے پانی کہاں تلاش کرتا پھروں گا!"

"لیکن آپ تو بھوک پیاس کے باوجود بہت طاقت ور ہیں۔ آپ کو اپنی زبان سے ایسی باتیں نہیں کہنی چاہییں۔ ایسی باتیں کرنے سے تو یہ جانور سچ مچ آپ کو بادشاہ ماننے سے انکار کر دیں گے۔" لومڑی ایک مرتبہ پھر بولی۔

"چپ رہو۔ طاقت اور بہادری یہ نہیں ہوتی کہ صرف دوسروں پر رُعب جماتے رہیں۔ اصل

بہادری اور طاقت یہ ہے کہ اپنی کم زوریاں مان لی جائیں۔" شیر نے لومڑی کو پھر ڈانٹ دیا۔ اس کے بعد تمام جانور آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگے کہ کس کو بادشاہ بنایا جائے۔ جانوروں کا جلسہ بڑی دیر تک جاری رہا۔ جب سب جانور اپنی رائے ظاہر کر چکے تو اچانک میاں خرگوش پھدک کر سامنے آئے اور کہنے لگے:

"بھائیو! میں اتنی دیر سے آپ کی باتیں سُن رہا ہوں۔ سب نے ایک ہی بات کہی ہے، یعنی جو کوئی پانی تلاش کر دے گا اُسے آپ لوگ اپنا بادشاہ مان لیں گے۔ اب اگر میں آپ کے لیے پانی تلاش کر دوں تو آپ مجھے اپنا بادشاہ مان لیں گے؟"

"بالکل! ہم تمھیں اپنا بادشاہ مان لیں گے۔" تمام جانوروں نے کہا۔

"دیکھو بات پکّی ہے نا۔ کہیں بعد میں انکار نہ کر دینا!" خرگوش نے کہا۔

"بالکل پکی بات ہے۔" سب جانوروں نے کہا۔

"ایک مرتبہ پھر سوچ لو۔ میں بہت چھوٹا سا جانور ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں تم سب کہہ دو کہ ہاتھی اور اونٹ جیسے بڑے جانوروں اور شیر جیسے طاقت ور جانور کے مقابلے میں ہم اتنے ننھے مُنّے سے جانور کو اپنا بادشاہ نہیں مان سکتے۔" خرگوش نے زور دے کر کہا۔

"نہیں، نہیں، ایسا نہیں ہو گا۔ ہم جُھوٹا وعدہ نہیں کر رہے ہیں۔ ہم اپنے وعدے پر قائم رہیں گے۔" جانوروں نے کہا۔

"اچھا تو تم سب میرا حکم مانو گے۔ بڑے سے بڑے جانور کو بھی میرا حکم ماننا پڑے گا۔" خرگوش نے مزید کہا۔

"ہم سب تمھارا حکم مانیں گے۔" جانوروں نے کہا۔ تمام جانوروں سے پکا وعدہ لینے کے بعد خرگوش نے کہا۔

"اچھی بات ہے کہ تم نے وعدہ کر لیا۔ اب میں کل شام کو سورج غروب ہونے سے پہلے تم سب کے لیے پانی تلاش کر لوں گا۔"

جانوروں سے پانی تلاش کرنے کا وعدہ کر کے خرگوش اپنے ساتھی خرگوشوں کے پاس پہنچا۔ سب کو جمع کر کے اُس نے کہا:

"جنگل کے تمام بڑے جانور ہم جیسے چھوٹے جانوروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ حال آنکہ ہم

اُن سے زیادہ عقل مند ہیں۔ آج یہ موقع ملا ہے کہ ہم اُن پر اپنی عقل مندی ثابت کریں۔ سب جانوروں نے وعدہ کیا ہے کہ اگر اُن کے لیے میں پانی تلاش کر دوں تو وہ مجھے بادشاہ بنا لیں گے۔ خرگوشوں کے لیے یہ پہلا اور آخری موقع ہے۔ اگر ہم نے یہ موقع ہاتھ سے گنوا دیا تو پھر دنیا میں کوئی خرگوش کبھی جنگل کا بادشاہ نہیں بن سکے گا۔ بڑے بڑے جانور ہمیں اپنے پیروں تلے کچلتے رہیں گے، لیکن ہم نے اس موقع سے فائدہ اُٹھا لیا ہے اور میں بادشاہ بن گیا تو تمام خرگوش بڑے خرگوشوں کے ظلم سے ہمیشہ کے لیے بچ جائیں گے۔ بھائیو! یاد رکھو جو اپنا حق حاصل کرنے کی خود کوشش نہیں کرتا دوسرے اس کا حق کبھی نہیں دیتے بلکہ ہمیشہ اُسے دبانے اور کچلنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

خرگوش کی تقریر کا باقی تمام خرگوشوں پر بڑا اثر ہوا۔ انھوں نے پوچھا "ہمیں کیا کرنا ہو گا؟"
"تم سب مل کر میرے ساتھ چلو۔ ہم سب مل کر جنگل کا کونہ کونہ چھان ماریں گے۔ اللہ نے ہمیں سونگھنے کی قوت دی ہے۔ اس کے ذریعے سے ہم سونگھیں گے کہ گیلی مٹّی کی بُو کہاں سے آ رہی ہے۔ جہاں سے گیلی مٹّی کی بُو آ رہی ہو گی وہیں پانی بھی ہو گا۔" خرگوش نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔
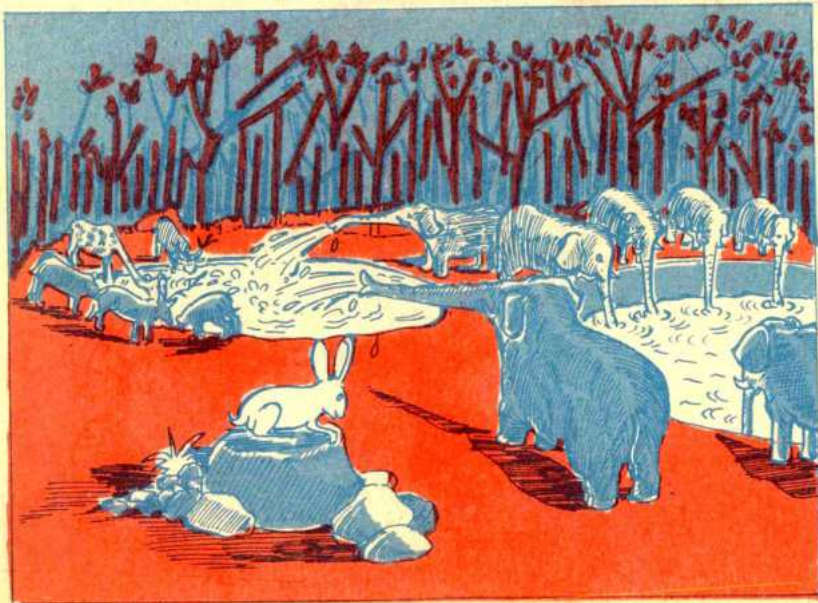
پھر جنگل کے تمام خرگوش مل کر پانی کی تلاش میں چل پڑے۔ انھوں نے جنگل کا کونا کونا چھان مارا۔ محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ خرگوشوں کی محنت بھی رنگ لائی۔ ایک جگہ انھیں گیلی مٹی کی بُو آنے لگی۔ وہ کچھ اور آگے بڑھے تو انھیں ہری ہری گھاس نظر آئی، لیکن پانی وہاں بھی نہیں تھا۔
یہاں پہنچ کر خرگوش رُک گیا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا:
"یہاں کی مٹی گیلی بھی ہے اور یہاں ہری ہری گھاس بھی اُگی ہوئی ہے۔ آؤ ہم سب مل کر یہاں کی زمین کھود دیں جیسے انسان کنواں کھودتے ہیں۔ میں ایک مرتبہ گاؤں کی طرف نکل گیا تھا۔ وہاں میں نے انسانوں کو کنواں کھودتے دیکھا تھا۔" پھر اتنا کہہ کر خرگوش نے اپنے پنجوں سے زمین کھودنی شروع کر دی۔ اس کے ساتھ دوسرے خرگوش بھی زمین کھودنے لگے۔ تمام خرگوش شام تک محنت کرتے رہے، پھر انھوں نے ٹکڑیاں بنا لیں۔ ایک ٹکڑی تھک جاتی تو دوسری ٹکڑی زمین کھودنے لگتی۔ اس طرح وہ صبح ہونے تک اور دوسرے دن دوپہر تک زمین کھودتے رہے۔ اب گڑھا خاصا بڑا اور گہرا ہو گیا۔ دوپہر ڈھلنے لگی تو اس گڑھے میں سے آخر پانی نکل آیا۔ تمام خرگوش بہت خوش ہوئے کہ انھیں ان کی محنت کا پھل مل گیا۔ پھر خرگوش جنگل کے دوسرے جانوروں کو بُلا لایا۔ تمام جانور خوشی خوشی خرگوش کے ساتھ چلے آئے، لیکن جب وہ پانی کے پاس پہنچے تو انھیں یہ دیکھ کر بہت غصہ آیا کہ پانی ایک گڑھے میں تھا اور وہ اس پانی تک نہیں پہنچ سکتے۔ سب نے خرگوش کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا کہ ایسے پانی کا کیا فائدہ جسے جانور پی نہ سکیں۔
"اس میں غلطی تمھاری ہے۔" خرگوش نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "میں تمھارا بادشاہ ہوں، تمھیں چاہیے کہ میرے حکم کا انتظار کرو، کیوں کہ سب جانوروں کو پانی پلانا میری ذمّے داری ہے۔ تم سب جلد بازی کر رہے ہو۔"
اتنا کہہ کر خرگوش نے کسی بادشاہ کی طرح اپنا پنجہ اُٹھایا اور ہاتھیوں کو حکم دیا کہ وہ آگے بڑھیں۔ جب ہاتھی سامنے آ گئے تو خرگوش نے ہاتھیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی سونڈوں میں گڑھے سے پانی بھریں اور قریب کے ایسے گڑھے میں یہ پانی جمع کر دیں جہاں سے سب بڑے جانور آسانی سے پانی پی سکیں۔
ہاتھیوں نے خرگوش کی ہدایت پر عمل کیا۔ اس طرح جنگل کے تمام جانوروں کی پیاس بجھ گئی۔ تمام جانور خرگوش کی عقل مندی اور محنت سے اتنے خوش ہوئے کہ سب نے مل کر خرگوش کو دل سے اپنا بادشاہ مان لیا اور اس کے حکم پر عمل کرنے لگے۔

جاگ

انور شعور

ہم ہیں بہت پھٹیچر
لیکن ہمارے ٹیچر
منگل ہو یا سنیچر

کچھ تن کے کچھ سُکڑ کے
اُٹھتے ہیں روز تڑکے
کہتے ہیں ہائے لڑکے

تُو اب بھی سو رہا ہے؟
یوں وقت کھو رہا ہے؟
مُردار ہو رہا ہے؟

اُٹھ، رات سو چکی ہے
اب صبح ہو چکی ہے
کرنیں چبھو چکی ہے

یہ وقت جاگ کا ہے
قسمت کا، سہاگ کا ہے
نغمے کا، راگ کا ہے
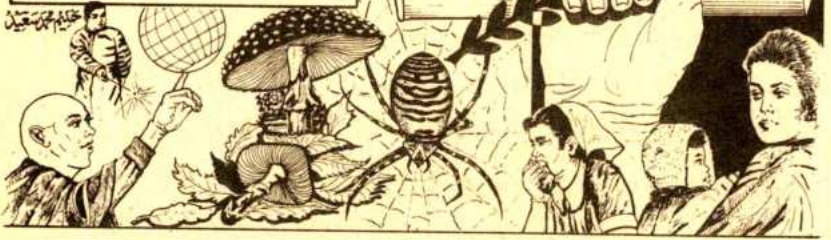
کم زور نظر

س : میری عمر چودہ سال ہے، میری نظر کم زور ہے۔ دوڑتے وقت ٹانگوں میں شدید درد ہوتا ہے؟

عبدالستار راہی، ڈگری

ج : نظر یقینی طور پر اُس وقت کم زور ہوتی ہے کہ ہم جب اپنی آنکھوں سے غفلت برتتے ہیں۔ ہمارے جسم کا آنکھ نازک ترین حصّہ ہے۔ ذرا دیکھیے کہ قدرت نے اس کی حفاظت کا کس طرح انتظام کیا ہے کہ ان کو چہرے پر دو گہرے جوفوں میں رکھا ہے تاکہ حوادث سے یہ بچی رہیں، پھر فطرت کا یہ نظام ہے کہ ذرا سا خطرہ ہو سب سے پہلے آنکھیں خود بہ خود بچ جاتی ہیں۔ اب اگر آپ ان نازک آنکھوں سے زیادہ کام لیں، رات کو کم روشنی میں دِیدے پھاڑتے رہیں، ان کو صاف نہ کریں ان کو غیر ضروری طور پر مَلتے رہیں وغیرہ تو یہ بے چاری کم زور ہو جاتی ہیں۔ اکثر و بیش تر ان دِنوں یہ ہو رہا ہے کہ بچّے اور بچّے کیا، جَوان بھی غذا سے غافل ہیں، ان آنکھوں کو تازہ سبزیاں اور پھل درکار ہیں، مگر ہم ہیں کہ گوشت سے ان کی تواضع کرتے ہیں۔ لطیف غذا کی حاجت ہے، مگر غلیظ اور کثیف غذائیں کھا رہے ہیں، پھر اس کے علاوہ وہ پانی کہ جو جانوروں کو بھی بیمار کر دیتا ہے۔

سَر کے بال گِر رہے ہیں

س : میرے سَر کے بال پچھلے تین سال سے مسلسل گِر رہے ہیں، جس کے علاج کے لیے میں نے بہت سی تدابیر کیں۔ کسی نے شیمپو سے سَر دھونے کے لیے کہا تو کسی نے تیل لگانے کے لیے

اور کسی نے بال خشک رکھنے کے لیے، لیکن کوئی علاج فائدہ مند نہیں ہوا۔ براہ کرم کوئی علاج بتائیے؟
عبدالرزاق سمگزئی، چمن

ج: بال گرنے کی شکایت زیادہ تر اُن لوگوں کو ہوتی ہے جو اپنے سَر کی صفائی نہیں کرتے۔ ہاں بعض وقت کسی جلدی مرض کی وجہ سے بھی بال گر سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کے سَر میں کھجلی اور خشکی ہو۔ اگر ہے تو اس کا علاج کرنا چاہیے۔ دماغ کی کم زوری بھی اس کا سبب ہو سکتی ہے، جس میں دماغ کی طرف خون کا دوران کم زور ہو جایا کرتا ہے۔ اس کے لیے خمیرہ ہمدرد اور مغز بادام استعمال کرنا مفید ہو سکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ سَر کے بال اُن ہی لوگوں کے گرتے ہیں کہ جو ذہین اور جینئس ہوتے ہیں۔

ہتھیلیاں سخت ہیں

س: میرے ہاتھ کی کھال بہت سخت ہے۔ ہتھیلیاں تو بہت ہی سخت ہیں۔ مہربانی فرما کر کوئی ترکیب بتائیے کہ جلد تھوڑی بہت نرم ہو جائے۔ آپ ہی کے کہنے پر کپڑے بھی دھوئے لیکن ہاتھ کی کھال اور ہتھیلیاں نرم نہیں ہوئیں۔ میں بہت پریشان ہوں اس کا کوئی حل بتائیے؟
نگہت شکور، کراچی

ج: اندازہ یہ ہو رہا ہے کہ آپ نے نازک ہاتھوں کی جلد کو ضرورت سے زیادہ استعمال کر لیا ہے۔ ممکن ہے کہ گھٹیا قسم کے صابونوں کا استعمال کیا گیا ہو، اِن سے بھی جلد کُھردری اور سخت ہو جایا کرتی ہے۔ ہاں بعض اوقات پیدائشی طور پر بھی ہاتھ کی ہتھیلی اور پیر کے تلووں کی کھال سخت ہوتی ہے۔ اگر یہ پیدائشی ہے تو شاید کوئی علاج اس کے لیے کارگر نہ ہو۔ آپ "ہمدرد مرہم" کا استعمال کر کے تجربہ کیجیے۔

کم زوری بہت ہے

س: میری عمر تقریباً ۱۹ برس ہے۔ میں جب مطالعہ کرتا ہوں تو میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ مجھے کم زوری بہت محسوس ہوتی ہے۔ تھوڑا سا کام کرتا ہوں تو ہانپنے لگتا ہوں۔
محمد عبداللہ مغل، کامونکی

ج: مجھے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں احتیاط کا دامن چھوڑا ہے اور اپنے ہاتھوں اپنی صحّت کے لیے خطرات مول لے رہے ہیں۔ میں مشورہ دوں گا کہ آپ کو اپنی

قوتوں کی حفاظت کرنی چاہیے۔ عمر کا یہ حصّہ بڑا نازک ہوتا ہے اور اگر اس وقت قوتوں کو ضائع کر دیا جائے تو مستقبل کی تعمیر میں ہزار رُکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر آپ نے احتیاط کا دامن پکڑ لیا تو آپ کی صحّت رفتہ رفتہ بغیر کسی دوا اور تدبیر کے واپس آسکتی ہے۔

صحت گرتی جارہی ہے

س: مجھے جو بھی دیکھتا ہے یہی کہتا ہے کہ تم اتنے کم زور کیوں ہو گئے ہو، میری صحت دن بہ دن گرتی جارہی ہے۔ سرخ چہرہ کالے رنگ میں تبدیل ہو گیا ہے۔ جب بھی بیٹھ کر اُٹھتا ہوں تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگتا ہے اور ذرا دوڑتا ہوں تو سانس پھُولنے لگتا ہے، بعض اوقات پیشاب میں جلن بھی ہوتی ہے۔ مہربانی فرما کر کوئی ایسی دوا بتائیں، جس سے میری کھوئی ہوئی صحّت دوبارہ مل جائے۔ ایاز حسین نقوی، خانیوال

ج: اگر آپ اپنی عمر بھی لکھ دیتے تو میں صاف صاف آپ سے کہہ دیتا کہ آپ نے اپنی صحّت اپنے ہاتھوں خراب کر ڈالی ہے۔ آپ کے جسم کے بینک میں جو سرمایۂ قوت ہے، اُسے آپ بے دردی کے ساتھ خرچ کرتے چلے جارہے ہیں اور اب وقت آگیا ہے کہ بینک دیوالیہ ہو جائے۔ اگر میرا خیال صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو میں جوانِ امروز کو یہی مشورہ دے سکتا ہوں کہ وہ اپنی قوتوں کی حفاظت خود کریں۔ اگر صحّت نہ رہی تو دنیا کی گویا ہر چیز اور ہر خوشی آپ نے ضائع کر دی۔ پاکستان کو ایسے جوانِ امروز کی ضرورت ہے کہ جو ہر طرح صحّت مند اور تن درست ہو۔

دمے کا علاج

س: میرے بڑے بھائی (عمر ۱۸ سال) چھوٹے بھائی (عمر ۳ سال) اور بہن (عمر ۶ سال) دمے کے مریض ہیں۔ آپ دمے کا علاج بتا دیجیے۔

عمر خاں اعوان، زبیر خاں اعوان، کراچی

ج: دمہ (ضیق النفس = ایزما) کا علاج آسان نہیں ہے۔ میں یہ حال پڑھ کر اُن تینوں کے لیے کوئی علاج تجویز نہیں کر سکتا۔ ان تینوں کا علاج کسی اچھے معالج کی نگرانی میں ہونا چاہیے۔

رال ٹپکتی رہتی ہے

س: میری عمر ۱۰ سال ہے۔ میرے منھ سے گزشتہ ایک سال سے رال ٹپکتی رہتی ہے۔ جب

صبح سو کر اٹھتی ہوں تو منھ میں رال بھر جاتی ہے۔ میرے سَر میں اکثر درد رہتا ہے اور اسکول سے آتی ہوں اُس وقت بھی سر میں درد ہوتا ہے براہِ کرم کوئی علاج بتائیں اور یہ بھی بتائیں کہ رال کیوں آتی ہے؟ منزہ کوکب، کراچی

ج : اگر آنتوں میں کیڑے ہوں تو سوتے میں منھ سے رال ٹپک کر تکیہ تر کر دیتی ہے۔ اگر معدہ کا مزاج سرد ہو جائے تو بھی رال ٹپک سکتی ہے۔ ایسی غذائیں کہ جو تیل گھی والی ہوں اُن کو معدہ ہضم نہیں کر سکتا، اس سے بھی رال منھ سے آسکتی ہے، کیوں کہ معدے میں پڑی ہوئی ثقیل غذا لعابِ دہن کا مطالبہ کرتی ہے۔ سوتے میں عمدہ عمدہ کھانے دیکھ کر بھی سُنا ہے کہ رال ٹپک پڑتی ہے۔

اور ہاں اگر انسان کو دولت کا ہوکا ہو جائے، جیسا کہ آج ہر پاکستانی کو ہے تو اُس کی رال رُپیہ پیسہ دیکھ کر ٹپک پڑتی ہے۔ اب بتائیے کہ کیا اور کس مرض کا علاج آپ کو بتاؤں!

آدھے سَر کا درد

س : آدھے سَر میں درد کیوں ہوتا ہے؟ فرحت شکور، کراچی

ج : آپ نے خوب سوال کیا ہے۔ آدھے سَر کا درد عموماً ذہنی انتشار، غم، رنج اور کسی پریشانی کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو آدھے سَر کا درد ہو، اُن کو اپنی ذہنی پریشانی پر غور کرنا چاہیے اور اُن اسباب کو دُور کرنا چاہیے جن کی وجہ سے پریشانیاں لاحق ہوا کرتی ہیں۔

طب کی روشنی میں

سوالات بھیجنے والوں کے لیے

کالم طب کی روشنی کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کا اندازہ آنے والے بے شمار خطوط سے ہو رہا ہے۔ اکثر نونہال اس قسم کے سوالات بھیج رہے ہیں جن کے جواب رسالے میں شائع نہیں کیے جاسکتے۔ ایسے نونہالوں کو چاہیے کہ وہ اپنا مکمل پتا ضرور لکھیں تاکہ انھیں خط کے ذریعے سے ضروری مشورہ دیا جاسکے۔ مطب ہمدرد کے ماہر اطبا کسی معاوضے کے بغیر یہ خدمت انجام دیتے ہیں۔ جو نونہال اپنے سوالات کے جلد جوابات چاہتے ہیں وہ بھی اپنا پتا ضرور لکھیں۔ اگر آپ رسالے میں جواب چاہتے ہیں تب بھی اپنا پتا ضرور لکھیے۔

تحفے

مسکراتے جملے — عظیم اقوال — انوکھے نکتے — دل چسپ تحریریں

صحبت

مرسلہ: سید ہدایت علی نقوی، جیکب آباد

بُرے لوگوں کی صحبت سے بچو۔

کوئی شخص اگر عطّار کی دُکان میں بیٹھے گا چاہے وہ عطر خرید ے یا نہ خریدے، مگر اسے عطر کی خوش بُو ضرور آئے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص لوہار کی دُکان میں بیٹھے تو بھٹی کی آگ سے اس کے کپڑے جھلسیں یا نہ جھلسیں، لیکن اسے آگ کی تپش یا دھواں ضرور پہنچے گا۔

— مولانا روم

ستاروں کی باتیں

مرسلہ: ہدایت علی سید، جیکب آباد

ایک دفعہ ہارون الرشید کے دربار میں ایک نجومی آیا اور بیٹھ کر اپنے دعوے بیان کرنے لگا اور کہنے لگا کہ میں قسمت کا حال بتا سکتا ہوں اور میں ستاروں کی باتیں جانتا ہوں۔ اس کے ساتھ بہلول دانا بیٹھے ہوئے تھے وہ اچانک بولے: "اچھا یہ بتا تیرے قریب کون بیٹھا ہوا ہے؟"

وہ لاجواب ہو کر چُپ رہا تو بہلول حیرت سے بولے، "جو شخص اپنے قریب بیٹھے ہوئے آدمی کو نہیں جانتا وہ ستاروں کی باتیں کیسے جانتا ہے؟"

ایک شعر

مرسلہ: نور صمد خان، کراچی

آخر ہے عمر زیست سے دل اپنا سیر ہے
پیمانہ بھر چکا ہے چھلکنے کی دیر ہے

— میر انیس

تجربہ گاہ

مرسلہ: سرفراز احمد، کراچی

"ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔"

— قائدِ اعظم

"اگر ہم نے دل سوزی اور خلوص سے کام کرنے کا تہیّہ کر رکھا ہے اور ہم اپنی قوم کی اجتماعی فلاح کے لیے قربانیاں دینے پر آمادہ ہیں تو ہم بہت جلد وہ مقاصد اور وہ منزل پالیں گے جو ہمارے سامنے ہے۔"

— قائدِ اعظم

تین زندہ عمل

مرسلہ: فرحت گل، جھنگ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا، جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو

جاتا ہے، مگر تین عمل ایسے ہیں جن کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا: صدقہ جاریہ، علم جس سے لوگ فائدہ اُٹھا رہے ہوں اور نیک اولاد جو اس کے لیے دُعا کرتی رہے۔

قافیے کی تلاش

مرسلہ: سید رضوان احمد زیدی، کراچی

اکبر الہ آبادی کو قافیے تلاش کرنے میں کمال حاصل تھا۔ مشکل سے مشکل لفظ کا قافیہ تلاش کر لیتے تھے۔ مثلاً مولانا کا قافیہ دیکھیے:

پکالیں پیس کر دو روٹیاں تھوڑے سے جَو لانا
ہمارا کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

تین چیزیں

مرسلہ: سید شجاعت علی، کراچی

تین چیزوں پر ایمان رکھو : توحید، رسالت، جزا و سزا۔
تین چیزوں کو عزیز رکھو : ایمان، سچائی، نیکی۔
تین چیزوں سے محبّت کرو : شجاعت، شرافت، محبّت۔
تین چیزوں کو حاصل کرو : علم، اخلاق، صداقت۔
تین چیزوں سے نفرت کرو : ظلم، بے حیائی، غرور۔
تین چیزوں کی عزت کرو : مذہب، انصاف، اچھا کام۔
تین چیزوں میں اضافہ کرو : اچھے دوست، اچھی کتابیں، اچھے اعمال۔

ورزش

مرسلہ: خالد عبداللہ خان چاچڑ، سکھر

ہمیں ایک پی۔ ٹی ماسٹر صاحب نے صبح کی سیر اور دوڑ لگانے پر ایسا شان دار لیکچر دیا کہ میں اگلی صبح سے ہی دوڑ لگانے کا مصمم ارادہ کر بیٹھے۔ اتفاق کی بات کہ اسی شام کو گھر والوں سے جھگڑا ہو گیا اور ناراضگی کے اظہار کے لیے ہم نے بھوک ہڑتال شروع کر دی، لیکن دوڑ کا شوق ابھی تک موجزن تھا۔ بس صبح کا انتظار تھا کہ صبح ہو تو میں دوڑ لگاؤں۔

خدا خدا کر کے رات کٹی۔ پانچ بجے صبح بستر سے اُٹھا اور ورزش کی نیت سے گھر سے نکلتے ہی بھڑک کر بھاگا۔ ابھی دو فرلانگ ہی دوڑا ہوں گا کہ معلوم ہوا جیسے کوئی پیچھے سے زور زور سے پکار رہا ہے۔ مڑ کر دیکھا۔ یہ ابّا تھے ایک ہاتھ میں ٹوپی اور دوسرے ہاتھ میں عینک لیے دوڑے چلے آ رہے تھے۔ قریب پہنچے تو معلوم ہوا غصّے سے لال ہو رہے ہیں۔ سانس بھی پھولا ہوا تھا۔ آتے ہی کان سے پکڑا۔ دو چار ہاتھ رسید کیے۔ وہ گرجے:

"شیطان کہیں کا، گھر سے بھاگ رہا ہے۔ آخر تجھے کس چیز کی کمی تھی۔ اپنی ہی غلطی سے بھوکا رہنا پڑا، چل گھر۔"

پھول

مرسلہ: ساجد قیوم، سکھر

* گلاب کا پھول محبّت کے جذبات کا اظہار کرتا ہے۔
* سفید پھول پاکیزہ جذبات کا ترجمان ہے۔
* نرگس کا پھول انتظار کو ظاہر کرتا ہے۔
* نیلا پھول مخلص ہونے کا اظہار کرتا ہے۔
* چنبیلی کا پھول پاکستان کا قومی پھول ہے۔
* سبز پھول شادابی کی علامت ہوتا ہے۔
* نارنجی پھول سے شگفتگی ظاہر ہوتی ہے۔

رنگ

مرسلہ: ساجد قیوم، سکھر

یہ رنگ ایسے انسانوں کو پسند ہوتے ہیں:۔

* سرخ :۔ پُرجوش اور پُرہمت۔
* گلابی :۔ ملنسار اور زندگی سے پُر
* نارنجی :۔ رنگین طبع، نسوانیت اور مستقل مزاجی
* زرد :۔ دوست نواز اور ذہین۔
* بھورا :۔ باریک بیں اور عملی۔
* آسمانی :۔ پُرخلوص اور رومان پسند۔

بزم آرائیاں

مرسلہ: عبدالرشید اسماعیل

ہمارے کار فروشی کے فعل کو سمجھنے کے لیے کار سے تعارف لازم ہے۔ یہ کار اُن کاروں میں سے نہ تھی جو خود بِک جاتی ہے۔ اس متاعِ ہنر کے ساتھ ہمارا بکنا لازم تھا۔ یعنی اس کار کو بیچنے کے لیے ایک پنج سالہ منصوبے کی ضرورت تھی، لیکن ہمارے پاس صرف تین دن تھے کہ چوتھے دن ہمیں فرنگ کو پرواز کر جانا تھا۔ سو ہم نے ازراہِ مجبوری ایک سہ روزہ کریش پروگرام بنایا جس کا مختصر اور منقیٰ لُبِّ لباب یہ تھا: آج اشتہار کل خریدار پرسوں تیس ہزار۔ سو ہم نے اشتہار دے دیا:

"کار بکاؤ ہے۔"

"ایک کار خوش رفتار، آزمودہ کار، قبول صورت فقط ایک مالک کی نوکر۔ مالک سمندر پار جا رہا ہے۔ فون ۶۲۲۰۹ سے رابطہ قائم کریں۔" یہ سب کچھ صحیح تھا، لیکن جو اس سے بھی صحیح تر تھا اور جسے ہم اشتہار میں بالکل گول کر گئے تھے وہ موصوفہ کی عمر تھی جس کا صحیح اندازہ حضرت خضر کے سوا کسی کو نہ تھا۔ ——— کرنل محمد خان

عقل مندی

مرسلہ: عزادار رضا جعفری، نواب شاہ

ایک بادشاہ نے خواب دیکھا کہ اس کے منھ میں کوئی دانت نہیں ہے۔ صبح بیدار ہوتے ہی بادشاہ نے اپنے ایک ذہین درباری سے اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ درباری نے جواب دیا کہ "حضور! آپ اپنی اولاد کو اپنے سامنے مَرتا ہوا دیکھیں گے۔" یہ جواب سُن کر بادشاہ بہت ناراض ہوا اور اس درباری کو قید خانے میں ڈلوا دیا۔ دوسرے روز بادشاہ کو پھر وہی خواب نظر آیا۔ بادشاہ نے اپنے ایک دوسرے درباری سے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو اس نے کہا کہ حضور آپ کی عمر اپنے بیوی بچوں کے مقابلے میں زیادہ ہوگی۔ بادشاہ یہ جواب سُن کر بہت خوش ہوا اور درباری کو انعام و اکرام سے نوازا۔ بادشاہ نے درباری سے دریافت کیا کہ تُو نے یہ علم کہاں سے سیکھا ہے۔ تو درباری نے جواب دیا کہ یہ علم میں نے پہلے درباری سے سیکھا ہے۔

ننگے سَر

مرسلہ: محمد اقبال احمد انصاری، کراچی

سید انشا ایک دن نواب سعادت علی خاں کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ گرمی سے گھبرا کر دستار سَر سے اُتار کر رکھ دی تھی۔ مُنڈا ہوا سَر دیکھ کر نواب کی طبیعت میں چہل آئی۔ ہاتھ بڑھا کر پیچھے سے ایک دھول ماری۔

آپ نے جلدی سے دستار سر پہ رکھ لی اور کہا، "سبحان اللہ! بچپن میں بزرگ سمجھایا کرتے تھے وہ بات سچ ہے کہ ننگے سر کھانا کھائیں تو شیطان دھولیں مارتا ہے!"

جاپانی کہاوتیں

مرسلہ: لبنیٰ ناز، کراچی

(۱) اچھے کاری گر کو روزگار ڈھونڈنے کے لیے کسی دوسرے ملک نہیں جانا پڑتا۔

(۲) خوشی اور خالی پیٹ کی دوستی نہیں نبھتی۔

(۳) کنگال کا گھر کتا بھی پہچانتا ہے۔

(۴) منحوس صورت والوں کو دُکان داری نہیں کرنی چاہیے۔

(۵) پیادے کا درد گھڑسوار کیا جانے۔

(۶) پانی ہی نہ ہو تو جہاز کیا چلائیں۔

کتّے

مرسلہ: محمد اعظم خان

خدا نے ہر قوم میں نیک افراد بھی پیدا کیے ہیں۔ کتّے اس کلیّے سے مستثنیٰ نہیں۔ آپ نے خدا ترس کتا بھی ضرور دیکھا ہوگا۔ عموماً اس کے جسم پر تپسیا کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ چلتا ہے تو اس مسکینی اور عجز سے، گویا بارِ گناہ کا احساس آنکھ نہیں اُٹھانے دیتا۔ دُم اکثر پیٹ کے ساتھ لگی ہوتی ہے۔ سڑک کے بیچوں بیچ غور و فکر کے لیے لیٹ جاتا ہے اور آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ شکل بالکل فلاسفروں کی سی اور شجرہ دیوجانس کلبی سے ملتا ہے۔ کسی گاڑی والے نے متواتر بگل بجایا، گاڑی کے مختلف حصّوں کو کھٹکھٹایا، لوگوں سے کہلوایا، خود دس بارہ مرتبہ آوازیں دیں، تو آپ نے سر کو وہیں زمین پر رکھے رکھے سرخ مخمور آنکھوں کو کھولا، صورتِ حالات کو ایک نظر دیکھا تو آنکھیں بند کر لیں۔ کسی نے ایک چابک لگایا تو آپ نہایت اطمینان کے ساتھ وہاں سے اُٹھ کر ایک گز پرے جا لیٹے اور خیالات کے سلسلے کو جہاں سے وہ ٹوٹ گیا تھا وہیں سے پھر شروع کر دیا۔ کسی بائسکل والے نے گھنٹی بجائی تو لیٹے لیٹے ہی سمجھ گئے کہ بائسکل ہے۔ ایسی چھچھوری چیزوں کے لیے وہ راستہ چھوڑ دینا فقیری کی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ —— پطرس بخاری

بال کا شوق

مرسلہ: افضال احمد خان نیازی، اسلام آباد

اکبر الہ آبادی مرحوم کے گھر چند بے تکلف دوست جمع تھے۔ مسٹر سنہا کو انھی دِنوں سَر کا خطاب ملا تھا۔ ایک صاحب نے اچانک کہا کہ مسٹر سنہا اب انگریزوں کے طریقے اپنا رہے ہیں اور حد یہ کہ اب بال بھی ڈانس کرنے لگے ہیں۔ یہ سُن کر اکبر نے فی البدیہہ کہا:

پا کر خطاب ناچ کا بھی ذوق ہو گیا
سَر ہو گئے اب بال کا بھی شوق ہو گیا

ایک شعر

مرسلہ: جاوید حسین، کراچی

کون کہتا ہے کہ موت آئے گی میں مر جاؤں گا
میں تو دریا ہوں سمندر میں اُتر جاؤں گا

—— احمد ندیم قاسمی

ریل گاڑی کی آپ بیتی

سید فتح علی انوری

میں ایک ریل گاڑی ہوں۔
دیو قامت، قوی ہیکل، بھاری بھرکم ریل گاڑی۔
دُھواں اُڑاتی، شور مچاتی، چیختی چنگھاڑتی ریل گاڑی۔

میں فولاد کی متوازی پٹریوں پر دوڑتی ہوں۔ میرا وزن اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ اگر میرے نیچے فولادی پٹریاں نہ ہوں تو میں زمین میں دھنس جاؤں۔ میری وزن دار رفتار سے میرے ارد گرد کی زمین لرزنے لگتی ہے۔ میں ہزاروں سواریاں اور ہزاروں ٹن مال و اسباب اپنے اوپر لاد کر گاؤں گاؤں، بستی بستی، شہر شہر رواں دواں پھرتی ہوں، مسافروں کو ان کی منزل تک پہنچاتی ہوں، ضرورت کا سامان ضرورت کی جگہ لے جاتی ہوں۔

آندھی ہو یا طوفان، گرمی ہو یا سردی، میری گزر گاہوں میں پہاڑیاں ہوں یا دریا، ندی، نالے صحرا ہوں یا جنگل، میری پابندی میں فرق نہیں آتا۔ میری آمد اور روانگی کا وقت مقرر ہے۔ میں کسی کا انتظار نہیں کر سکتی۔ اس لیے مسافر وقت سے پہلے اسٹیشن پہنچ جاتے ہیں۔ اتفاق سے کبھی کبھار دیر سویر ہو جائے تو دوسری بات ہے، مگر میری خواہش یہی ہوتی ہے کہ پابندیِ وقت کا سختی سے خیال رکھوں، کیوں کہ وقت کی پابندی ایک اچھی عادت ہے اور اس میں سب ہی کا فائدہ ہے۔ میں کبھی بھی اپنے راستوں سے نہیں بھٹکتی۔ پانی کے بڑے بڑے جہازوں کے علاوہ دنیا کی کوئی سواری بار برداری کے معاملے میں میرے مقابلے میں نہیں آسکتی۔ دنیا کے زیادہ تر لوگ خشکی پر سفر میرے ذریعے سے کرتے ہیں۔ اس زمانے میں شاید ہی کوئی شخص ہو جس نے میرے ذریعے سے سفر نہ کیا ہو۔ تم ہی حساب لگاؤ کہ تم کتنی دفعہ میرے ڈبّوں میں آرام سے بیٹھ کر سفر کر چکے ہو۔

میری آپ بیتی خاصی طویل ہے۔ میرے ڈبّوں کی قطار کی طرح طویل، مگر میں اختصار کے ساتھ بیان کرتی ہوں۔
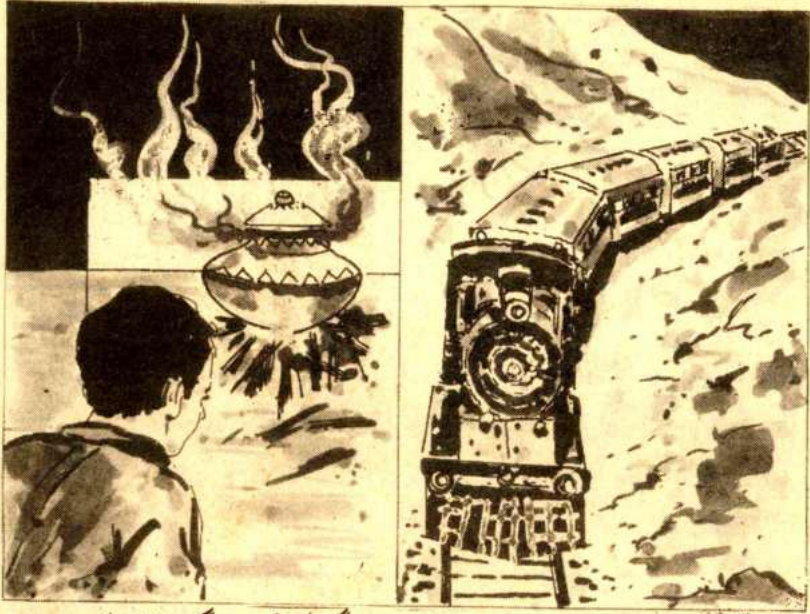
تقریباً تین سو سال پہلے میرا وجود تک نہیں تھا، لوگوں کو دُور دراز جگہوں کا سفر کرنے اور سامان کی بار برداری میں بڑی دشواریاں پیش آتی تھیں اور بہت وقت درکار ہوتا تھا۔ اس وجہ سے دنیا میں ترقی کی رفتار بھی کم تھی۔

پھر ہوا یوں کہ ایک دن ایک بچّہ باورچی خانے میں بیٹھا بڑے صبر کے ساتھ ناشتے کا انتظار کر رہا تھا۔ ماں نے چولھے پر ہنڈیا چڑھا رکھی تھی جس میں دلیا اُبل رہا تھا۔ ہنڈیا پر ڈھکنا رکھا ہوا تھا تاکہ اُبال جلدی آجائے۔ جب بھاپ بننا شروع ہوئی اور اُبال آنے لگا تو بھاپ کی طاقت نے ڈھکنا اُٹھا دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ڈھکنا پتیلی کے اوپر خود بہ خود ناچنے کودنے لگا۔ لڑکا اپنی بھوک تو بھول گیا اور سوچنے لگا کہ تھوڑی سی بھاپ اگر ڈھکنا اُٹھا سکتی ہے تو بہت ساری بھاپ بڑا وزن اُٹھا سکتی ہوگی، چناں چہ تقریباً ۱۶۹۸ء میں طامس سیوری اور طامس نیوکامن نے بھاپ کا انجن ایجاد کر لیا۔ ایسے خود کار انجن کی بہت ضرورت تھی۔ اس زمانے میں ایندھن کے لیے کوئلا استعمال ہوتا تھا اور جب کوئلے کی کانوں میں پانی بھر جاتا تو کام رُک جاتا اور لوگوں کو ایندھن کے لیے پریشانی لاحق ہو جاتی تھی۔ بھاپ کی طاقت سے چلنے والے انجن نے کوئلے کی

کانوں سے پانی نکالنے کا کام شروع کر دیا۔ جب بھاپ سے انجن چلنا شروع ہوا تو لوگ دنگ رہ گئے۔ بہت سے لوگوں نے کبھی بھاپ کی طاقت پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ قدرت نے انسان کو بے شمار وسائل عطا فرمائے ہیں، مگر اکثر لوگ اپنے گرد و پیش کا مطالعہ ہی نہیں کرتے۔ جو لوگ مشاہدے اور ان مشاہدوں پر غور کرنے کے عادی ہوتے ہیں وہ ضرور کبھی نہ کبھی کوئی نئی چیز دریافت کر لیتے ہیں۔

ایک انگریز مُوجِد جیمز واٹ (۱۷۳۶ء تا ۱۸۱۹ء) نے ریل کا پہلا انجن بنایا۔ انجن میں ایک بڑا سا بائلر ہوتا تھا۔ جس کے نیچے کوئلوں کی آگ جلائی جاتی تھی۔ بھاپ بننے کے بعد جب والو (VALVE) سے گزرتی تو اس کی طاقت سے انجن کے پہیئے گردش میں آجاتے۔ انجن میں دوسرے کل پُرزے بھی تھے جن کی مدد سے رفتار کم یا زیادہ کی جاسکتی تھی اور انجن کو روکا جا سکتا تھا۔

بس پھر کیا تھا، بھاپ کی طاقت سے چلنے والا ریل کا انجن ایجاد ہوتے ہی صنعت کی دنیا میں انقلاب آگیا۔ دُور دراز جگہوں کا سفر آسان ہو گیا اور مسافروں اور بار برداری کی دشواریاں ختم ہونے لگیں، مگر اس کام سے پہلے ریل گاڑی سے کوئلا اور پتھر ڈھونے کا کام لیا جاتا تھا۔

دنیا کی سب سے پہلی مسافر ریل گاڑی ۲۷ ستمبر ۱۸۲۵ء میں برطانیہ کے شہر سٹاکٹن سے ڈارلنگٹن تک چلی۔ جلد ہی دوسرے ممالک میں میرے چرچے شروع ہو گئے۔ ان تمام ملکوں میں میری آمد ایک تاریخی اہمیت رکھتی ہے۔ آسٹریا میں مَیں ۱۸۲۷ء میں آئی۔ فرانس میں ۱۸۲۸ء میں بلجیئم میں ۱۸۳۵ء میں، جرمنی میں ۱۸۳۵ء میں، کینیڈا میں ۱۸۳۶ء میں، روس میں ۱۸۳۸ء میں، اٹلی میں ۱۸۳۹ء میں، سوئٹزرلینڈ میں ۱۸۴۴ء میں، اسپین میں ۱۸۴۸ء میں، سویڈن میں ۱۸۵۱ء میں، برصغیر ہند و پاکستان میں ۱۸۵۳ء میں، پرتگال میں ۱۸۵۴ء میں، اوسٹریلیا میں ۱۸۵۵ء میں، ترکی میں ۱۸۶۰ء میں، جاپان میں ۱۸۷۲ء میں، میکسیکو میں ۱۸۷۳ء میں، چین میں ۱۸۷۵ء میں، میں نے اپنا کام شروع کیا۔

میری دوڑ کے لیے میری متوازی فولادی پٹریاں بچھانے کا کام انجینئرنگ کی دنیا کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ اگر تم کبھی مجھ پر سوار ہو کر دریاؤں کے پُل، وادیوں، اونچی نیچی پہاڑیوں، جنگلوں اور صحراؤں سے گزرے ہو گے تو تمھیں اندازہ ہوا ہو گا کہ یہ کام کتنا کٹھن ہے اور میری پٹریوں کا جال بچھانے میں کیسی کیسی مصیبتوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہو گا۔ سگنل کے کھمبے اور تار
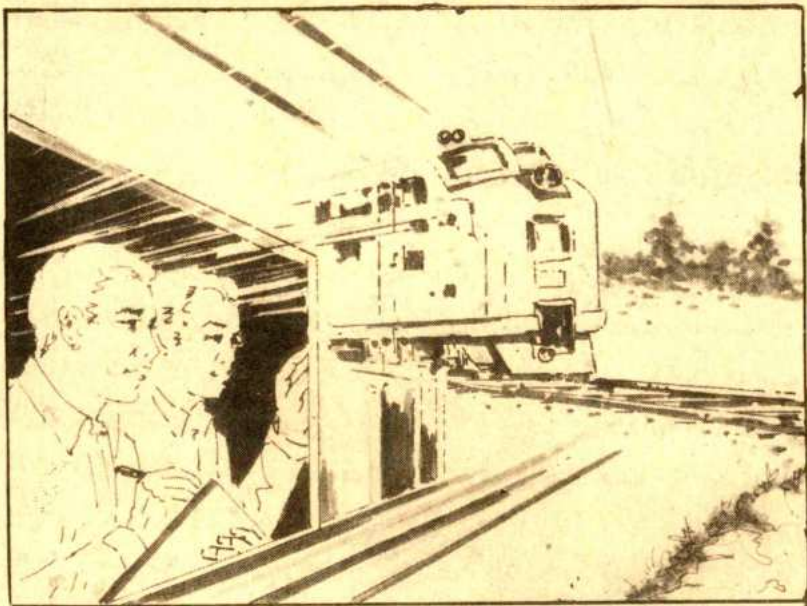
پٹڑی کے ساتھ ساتھ لگانا ایک دوسرا عظیم مرحلہ تھا۔

رفتہ رفتہ میرے انجنوں کی قوّت بھی بڑھتی رہی۔ اب تو کوئلے سے چلنے والے انجن بوڑھے ہو چکے ہیں اور ان کی جگہ ڈیزل اور بجلی سے چلنے والے انجن لے رہے ہیں۔ میں جب اپنی نئی نسل کی ریل گاڑیاں دیکھتی ہوں تو میں خود دنگ رہ جاتی ہوں۔ اِدھر ریل کاریں ہیں تو اُدھر جاپان میں ایک پٹڑی سے جھولنے والی مونو ریل ہے۔

تمھیں ایک دل چسپ بات اور بتاتی چلوں شاید تمھیں معلوم نہ ہو۔ میرے طاقت ور انجنوں کی کئی قسمیں ہیں اور انجنوں کی ہر قسم اس کے پہیّوں سے پہچانی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر "بریٹانیہ" قسم کے ریلوے انجن کے پہیّوں کی ترتیب ۴-۶-۲ ہوتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ سب سے آگے چار بوگی وِھیلز ہوتے ہیں، جو انجن کے اگلے حصّے کا وزن سنبھالتے ہیں۔ پھر چھے پہیّے چلانے والے یعنی ڈرائیو وھیلز ہوتے ہیں جو آپس میں شافٹ کے ذریعہ سے ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں اور دو پچھلے پہیّے انجن کے پچھلے حصّے کا وزن سنبھالتے ہیں۔ اسی طرح ۲-۶-۲ کی ترتیب کو "مغل" کہتے ہیں۔ ۴-۴-۲ والی ترتیب کو "اٹلانٹک" کہتے ہیں، ۴-۶-۴ والی ترتیب کو

"بالٹیک" کہتے ہیں۔ ۴-۶-۲ والی ترتیب کے انجن کو "پیسفک" کہتے ہیں، اور ۲-۸-۲ والی ترتیب کو "میکاڈو" کہتے ہیں۔

پاکستان میں میرا نام "پاکستان ریلویز" ہے۔ میرا بڑا گھر لاہور میں ہے اور میری متوازی فولادی پٹریوں کا جال تمام ملک میں بچھا ہوا ہے۔ میری بڑی لائنیں اور برانچ لائنیں ہیں جن پر میں اپنے ملک و قوم کی خدمت میں ہر لمحہ رواں دواں رہتی ہوں۔ میرے ویگن اور میرے ڈبّے بھی قسم قسم کے ہیں۔ مال و اسباب کی بار برداری کے ڈبّے الگ ہیں اور سواریوں کے ڈبّے الگ ہوتے ہیں۔ میرے سفر چوں کہ طویل بھی ہوتے ہیں، اس لیے میرے مسافروں کی سہولتوں کا ہر ممکن خیال رکھا جاتا ہے۔ میں تمام پاکستانی قوم کی ملکیت اور امانت ہوں۔ اس لیے مجھے پابندیِ وقت کے ساتھ رواں دواں رکھنا اور مجھے صاف سُتھرا رکھنا آپ سب کا قومی فرض ہے۔ مجھے اگر دیر ہو جاتی ہے تو تکلیف آپ ہی کو پہنچتی ہے۔

اب میں چند ایک ضروری نصیحتیں بھی کرتی چلوں جو ریل گاڑی سے سفر کے وقت ہمیشہ آپ کے کام آئیں گی:

۱۔ سفر سے پہلے اپنی نشستیں ضرور محفوظ کروا لیجیے۔

۲۔ وقت سے پہلے اسٹیشن پر پہنچ جائیے تاکہ آپ کو پریشانی نہ اٹھانی پڑے۔

۳۔ کم سے کم سامان ساتھ لے جائیے، اگر زیادہ سامان ساتھ لے جانا ضروری ہے تو زائد سامان کو بریک وین میں رکھوانے کا انتظام کر لیجیے۔ سامان کو اچھی طرح باندھ لیجیے کہ کہیں کوئی چیز گر نہ پڑے۔

۴۔ ٹکٹ کے بغیر ہرگز سفر مت کیجیے۔ ایسا کرنا قومی امانت میں خیانت بھی ہے اور قانون کی نظروں میں جرم بھی۔

۵۔ چلتی ہوئی گاڑی سے اُترنے چڑھنے سے پرہیز کیجیے۔ یہ خطرناک بات ہے۔ اپنا سَر اور ہاتھ کھڑکی سے باہر مت نکالیے۔

۶۔ اپنے ہم سفروں سے اخلاق کے ساتھ پیش آئیے اور کوئی ایسی بات نہ کیجیے جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے۔ اپنا ڈبّا صاف ستھرا رکھنے میں مدد دیجیے۔

یہ باتیں یاد رکھیے تو اِن شاءاللہ آپ کا سفر آرام سے گزرے گا۔

پوری فوج کی تعداد ایک سپاہی

لائختن اسٹین کی ریاست، جو اوسٹریا اور سوئٹزر لینڈ کے درمیان واقع ہے کی فوج صرف ایک سپاہی پر مشتمل ہے اور یہ سپاہی بھی موم کا بنا ہوا ہے۔ ۱۸۶۷ء میں اس ریاست کی فوج کی تعداد کم کر کے ایک سپاہی تک محدود کر دی گئی تھی۔ اس سپاہی کا نام تھا اینڈریز کیمبر، جو ۹۵ سال کی عمر میں فوت ہوا اور آخر دم تک اپنے فرائض منصبی انجام دیتا رہا اور آج قلعہ ویڈوز کے دروازے پر موم کے ایک مجسمے کی شکل میں یہی سپاہی چوکس کھڑا پہرا دے رہا ہے۔

مرسلہ: محمد ساجد، ملک وال

پلاسٹک کا کپڑا

سائنس دانوں نے پلاسٹک سے ایک نئی قسم کا بالکل نرالا کپڑا تیار کیا ہے۔ اس کپڑے کو (CRACKLE) کا نام دیا گیا ہے۔ یہ کپڑا ٹھنڈا اور پہننے میں آرام دہ ہے۔ اس کپڑے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اسے دھونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ جب آپ کا لباس گندہ ہو جائے اور اسے دھونے کی ضرورت ہو تو آپ یوں کیجیے کہ ایک گیلا سا کپڑا لیں اور اپنے لباس پر پھیر لیں بالکل اسی طرح جس طرح آپ اپنا کوٹ برش سے صاف کرتے ہیں۔ بس آپ کا لباس

صاف ہو گیا۔ مرسلہ: رؤف اسلم آرائیں، ڈگری

غائبانہ لوری

آسٹریا کے محکمۂ ٹیلے فون نے لوریاں سنانے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ اگر رات کو آپ کو نیند نہ آئے تو ٹیلے فون کا نمبر ۱۲۹۹۹ گھمائیں۔ آپ کی خواہش کے مطابق مرد یا عورت آپ کو لوری سنائیں گے۔ مرسلہ: عبدالحنان، ملتان

حیرت انگیز حافظہ

لوگوں نے خلیفہ ہارون الرشید سے شکایت کی کہ امام شافعیؒ کو قرآن حفظ نہیں اور درحقیقت یہ بات صحیح تھی، لیکن آپ کی قوّتِ حافظہ نہایت تیز تھی۔ خلیفہ نے آپ کا امتحان لینا چاہا اور رمضان المبارک میں آپ کو امام مقرّر فرمایا۔ حضرت امام شافعیؒ دن بھر میں ایک سپارہ حفظ کر لیتے اور رات کو تراویح میں سُنا دیتے، یہاں تک کہ آپ نے ماہ رمضان میں تمام قرآن مجید حفظ کر لیا۔ مرسلہ: قیصر اے۔ ہاشمی، جیکب آباد

وزنی کیک

امریکا کے مزاحیہ اداکار بول ویک نے اپنی انچاسویں سال گرہ پر ساڑھے سات مَن وزنی کیک تیار کروایا، جس پر ۲۱۰ موم بتیاں روشن کی گئیں اور اس کیک کو کاٹنے کے لیے چھُری کے بجائے تلوار استعمال کرنا پڑی۔ مرسلہ: بابر سلیم، ضلع گجرات

ایک عجیب اتفاق

کورک آئرلینڈ کے قریب کروک ہون کے قصبے میں پیٹرک اور اہلی نودگراڈی ایک ہی مکان میں ایک ہی دن ۱۷۹۶ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی شادیاں بھی ایک ہی دن ہوئیں۔ وہ ایک ہی دن مرے۔ مرتے وقت ان کی عمریں ۹۶ سال تھیں اور ان کی کل اولادوں کی تعداد ۹۶ ہی تھی۔ مرسلہ: شاہد محمود، کامرہ کینٹ

پیارا پاکستان

شفیق الرحمان شفق

خُلدِ بریں ہے پیارے بچّو، پیارا پاکستان
ذرّہ ذرّہ میرے وطن کا ہے میری پہچان
ہم نے صدیوں بعد لیا ہے آزادی کا سانس
قائدِ اعظم کا ہم سب پر ہے کتنا احسان

چاندی جیسا بہتا پانی کھیتوں میں لہرائے
شبنم کا ہر پیارا موتی دِل کی جوت جگائے
کھیت ہمارے سبز سنہرے اور دِل کش کھلیان
خُلدِ بریں ہے پیارے بچّو، پیارا پاکستان

مسجد میں آواز اذاں کی شام سویرے گونجے
گھر کی دیواروں پر جیسے ہر دن سورج چمکے
اس کے دَم سے قائم بچّو، اپنا دین ایمان
خُلدِ بریں ہے پیارے بچّو، پیارا پاکستان

اس کی خوشحالی کا عنواں کھیتوں کی تصویر
دہقانوں کی محنت سے روشن اس کی تقدیر
محنت ہی کے باعث اپنی ہر مشکل آسان
خلدِ بریں ہے پیارے بچّو، پیارا پاکستان

بھوت میجر

ریگستان میں بہت دُور کچھ کالے کالے دھبے حرکت کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ریگستان میں تھکے ہوئے اور پیاسے سپاہی اِن حرکت کرتے ہوئے دھبوں کو دیکھ کر سوچ رہے تھے کہ نہ جانے یہ کون لوگ ہیں۔ ہمارے دوست ہیں یا دشمن۔ یہ لوگ بڑی دیر سے آسمان کو گھور رہے تھے تاکہ ہوائی حملہ ہو تو اپنا بچاؤ کر سکیں۔ افریقہ کے ریگستان میں یہ لوگ سب سے الگ تھلگ پڑے ہوئے تھے۔ یہاں انھیں یہ معلوم ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ اچانک انھیں کسی دشمن سے مقابلہ کرنا پڑے گا یا اپنی ہی فوجوں کا کوئی دستہ وہاں پہنچ جائے گا۔ اسی وقت کسی نے چیخ کر کہا:

جیپیں .... یہ تو جیپیں ہیں۔"

جیپوں کا نام سنتے ہی سب لوگ خوش ہو گئے، کیوں کہ جیپوں کے آنے کا مطلب یہ تھا کہ ان کا افسر ڈیوڈ اسٹرلنگ واپس آرہا ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے زمانے میں برطانوی فوج کے ڈیوڈ اسٹرلنگ کو جرمنی والے فینٹم میجر یا بھوت میجر کہتے تھے۔ ریگستان میں موجود لوگوں کی خوشی کی وجہ یہ تھی کہ اسٹرلنگ کی واپسی کے بعد نازی جرمنی کو ایک مرتبہ پھر کوئی ایسا نقصان پہنچا سکیں گے جس کے متعلق جرمنی والوں نے کبھی سوچا بھی نہ ہو۔

دوسری جنگِ عظیم کے زمانے میں ڈیوڈ اسٹرلنگ برطانیہ کی فوج کا ایک افسر تھا۔ ایک مرتبہ وہ لڑائی میں زخمی ہو گیا۔ اُسے ہسپتال میں داخل کرادیا گیا۔ بستر پر لیٹے لیٹے وہ سوچتا رہتا کہ جنگ جیتنے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ سوچتے سوچتے ایک دن اُسے احساس ہوا کہ پرانے زمانے کی جنگ اور نئے زمانے کی جنگ میں فرق یہ ہے کہ پرانے زمانے میں تو فوجیں ایک ہی بار میں دشمن سے مقابلہ کر کے اُسے شکست دیتی تھیں یا خود ہار جاتی تھیں، لیکن نئے زمانے کی جنگ کا طریقہ یہ ہے کہ بار بار دشمن پر حملہ کیا جاتا ہے۔ کوشش یہ کی جاتی ہے کہ دشمن کی فوج کو ملنے والی مدد روک دی جائے۔ ان کا گولہ بارود اور ہتھیاروں کا ذخیرہ تباہ کر دیا جائے اور آنے جانے کی سہولتیں یعنی موٹر گاڑیاں، ریلیں، ہوائی جہاز، ریلوے اسٹیشن اور ہوائی اڈّے تباہ کر دیے جائیں۔ اُس نے سوچا کہ اگر ان تمام چیزوں کو تباہ کرنے کے لیے اس طرح سے اچانک حملے کیے جائیں کہ دشمن کو ان حملوں کا پہلے سے اندازہ ہی نہ ہو سکے تو یقیناً کامیابی ہو گی۔ اسٹرلنگ نے اس طرح حملہ کرنے کی تجویز اپنے افسروں کے سامنے پیش کر دی۔ اسٹرلنگ جب تن درست ہو گیا تو اُسے فوج کے ہیڈ کوارٹر میں بُلایا گیا۔ جہاں کافی دیر کی بحث اور سوچ بچار کے بعد اسٹرلنگ کی تجویز منظور کر لی گئی۔ پھر تھوڑے سے فوجیوں کا ایک خاص دستہ بنایا گیا۔ اس دستے میں ایسے لوگ شامل کیے گئے جو خوب تن درست ہوں۔ اُن میں زیادہ تکلیفیں اُٹھانے اور خراب سے خراب حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمّت ہو۔ اس دستے کا نام اسپیشل ائیر سروس (ایس۔ اے۔ ایس) رکھا گیا۔ ان لوگوں کا کام یہ تھا کہ برِّ اعظم افریقہ کے ریگستان میں، جسے صحرائے اعظم کہتے ہیں، جرمنی کی فوجوں کو نقصان پہنچائیں۔ یہ لوگ اصل محاذِ جنگ سے کئی میل پیچھے رہ کر ایسی جگہ سے نازی فوجوں اور ہوائی جہازوں کو نقصان پہنچاتے، جس کے متعلق نازی سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

اسٹرلنگ کی جیپیں ایس اے ایس کے فوجیوں کے قریب پہنچ گئیں۔ کھانے پینے کا سامان اور گولے بارود کا ذخیرہ اپنے ساتھیوں کے سپرد کرنے کے بعد اسٹرلنگ نے جیب سے ایک نقشہ نکالا اور اسے کھول کر زمین پر بچھادیا۔ وہ اپنے ساتھیوں کو بتا رہا تھا کہ اب وہ کس جگہ حملہ کرنا چاہتا ہے۔ اسٹرلنگ کا منصوبہ تھا کہ وہ سدی حنیش پر حملہ کرے۔ یہ وہ مقام تھا جہاں نازیوں نے اپنا ہوائی اڈّا بنا رکھا تھا۔ برطانیہ کی فضائی فوج کو اس اڈّے کے متعلق یہ اطلاع ملی تھی کہ اسی ہوائی اڈّے سے جرمنی کے جہاز اُڑ کر محاذِ جنگ کی طرف آتے ہیں اور اپنا کام مکمل کرنے کے بعد اسی ہوائی اڈّے پر اُترتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ اس اڈّے پر اُن دِنوں جرمنی کے جے یو ۵۲ قسم کے ہوائی جہاز کھڑے تھے۔ یہ جہاز سامان لانے لے جانے کے کام آتے تھے۔ افریقہ میں جرمن فوج اُن دِنوں جنرل رومیل کی رہنمائی میں لڑ رہی تھی۔ جنرل رومیل دنیا کے مشہور جنرلوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ سدی حنیش کے اڈّے پر کھڑے ہوئے ہوائی جہازوں کی رومیل کو سخت ضرورت تھی اور انھیں تباہ کر دینے سے برطانیہ کو بہت فائدہ پہنچتا۔

اِسٹرلنگ نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ وہ لوگ دوسرے روز اسی ہوائی اڈّے پر رات میں اس وقت حملہ کریں گے جب ہر طرف چاندنی چٹکی ہوئی ہوگی۔ اب تک یہ لوگ جب کہیں حملہ کرتے تو ہمیشہ اُن راتوں میں حملہ کرتے جب چاند نہ نکلا ہو اور رات اندھیری ہو، لیکن اس مرتبہ چاندنی رات میں حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔ اِسٹرلنگ نے چاندنی رات میں حملے کی وجہ بتاتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہمارے دشمن یہی سمجھتے ہیں کہ ہم اندھیری راتوں میں حملے کرتے ہیں، کیوں کہ اس طرح اندھیرے میں ہم، لوگوں کو آسانی سے نظر نہیں آسکتے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ہم چاندنی رات میں اُن کے سَروں پر پہنچ جائیں گے۔ ہمیں ان کی اسی غلط فہمی سے فائدہ اُٹھانا ہے۔

اِسٹرلنگ کے ساتھیوں نے حیرت سے اپنے افسر کا منصوبہ سُنا اور اپنی جیپوں پر لگی ہوئی خاص قِسم کی مشین گنوں کو دیکھا۔ یہ خاص قسم کی مشین گنیں وِکرز کہلاتی تھیں۔ ایک ایک جیپ پر اس قسم کی چار چار مشین گنیں لگی ہوئی تھیں۔

"اگر ہر مشین گن ایک منٹ میں ایک ہزار گولیاں چلائے تو ہمارے لیے ۶۸ مشین گنیں کافی ہوں گی۔" ڈیوڈ اسٹرلنگ نے کہا۔

دوسرے دن جب سورج غروب ہو گیا تو اٹھارہ جیپیں سدی حنیش کے ہوائی اڈّے پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوئیں۔ جس جگہ ان لوگوں نے اپنا کیمپ لگا رکھا تھا وہاں سے سدی حنیش کا ہوائی اڈّہ چالیس میل دُور تھا۔ ان جیپوں کو راستہ بتانے کی ذمّے داری مائیک سیڈلر پر تھی۔ کہتے ہیں کہ اس کام کے لیے ریگستانی علاقے میں مائیک سے اچھا کوئی اور آدمی نہ تھا۔

تقریباً دو گھنٹے تک ریگستانی علاقے میں ان کی جیپیں چلتی رہیں۔ تب کہیں مائیک سیڈلر نے اعلان کیا کہ ہوائی اڈّہ صرف ایک میل رہ گیا ہے۔ اِسٹرلنگ نے فوراً اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ تمام جیپیں ایک قطار میں لے آئیں اور آہستہ آہستہ ہوائی اڈّے کی طرف بڑھتے رہیں۔ ساتھیوں نے حکم کی تعمیل کی۔ سترہ جیپیں ایک قطار میں ساتھ ہو گئیں، صرف ایک جیپ آگے رہی۔ اسی طرح انھوں نے آدھے میل کا فاصلہ طے کیا، لیکن انھیں یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ ہوائی اڈّے پر تو اتنی روشنی ہے جیسے دن نکلا ہوا ہو۔ وہ لوگ سوچنے لگے کہ کہیں نازیوں کو اس حملے کا پتا تو نہیں چل گیا۔ چند سیکنڈ رُکنے کے بعد وہ پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے، یہاں تک کہ رن وے کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ اسی وقت اِسٹرلنگ نے دیکھا کہ جرمنی کا ایک بمبار ہوائی جہاز ہوائی اڈّے پر

اُتر رہا ہے۔ پھر جیسے ہی اس بمبار کے پہیئے زمین سے لگے اِسٹرلنگ نے اپنی جیپ پر لگی ہوئی مشین گن چلا دی۔ اس کی مشین گن چاروں طرف گھوم رہی تھی تاکہ ہوائی اڈّے یا رَن وے پر کہیں جرمن فوجی ہوں تو پتا چل جائے۔

گولیاں چلتے ہی ہوائی اڈّے کی تمام روشنیاں بُجھا دی گئیں۔ اب اسٹرلنگ نے ہری روشنی کا ایک گولہ چھوڑا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ بھرپور حملہ شروع کر دینا چاہیے۔ اشارہ ملتے ہی ایس اے ایس کی جیپوں نے دو قطاریں بنا کر حملہ کر دیا۔ اِسٹرلنگ اور اُس کے ساتھی سیدھے ہوائی جہاز کی قطاروں کے بیچ میں گُھس گئے۔ ان کی مشین گنوں سے ایک منٹ میں ۶۸ ہزار گولیاں نکل رہی تھیں۔ ہوائی جہاز ٹوٹ رہے تھے۔ ان میں آگ لگ رہی تھی۔ کچھ گولیاں ہوائی اڈّے پر بنے ہوئے پٹرول کے بڑے ٹینک میں لگیں۔ ایک زوردار دھماکے سے ٹینک پھٹ گیا۔ پٹرول میں آگ لگ گئی۔ اس آگ کی روشنی میں اِسٹرلنگ کے ساتھیوں کو جرمن فوجی جان بچانے کے لیے بھاگتے ہوئے نظر آئے۔ نازیوں نے تو ان پر گولی نہیں چلائی، البتہ اُن کے لیے ہر طرف لگی ہوئی آگ سب سے بڑا خطرہ بن گئی۔ کئی آدمیوں کے تو بال اور بھنوئیں تک اس گرمی سے جھلس گئیں۔

اِسٹرلنگ کو کچھ دُور پر چند جہاز کھڑے نظر آئے جو ابھی محفوظ تھے۔ اِسٹرلنگ نے اُنھیں بھی تباہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کی جیپ جب اُن جہازوں کی طرف بڑھی تو دوسری جیپیں بھی آگے بڑھیں اُسی وقت توپ کا ایک گولہ اُن کی گاڑیوں کے قریب آ کر پھٹا۔ گولہ نازیوں نے پھینکا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ نازیوں نے بھی مشین گن چلانی شروع کر دی تھی۔ توپ کے گولے سے اسٹرلنگ کی جیپ کو نقصان پہنچا تھا۔ اب وہ چلنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ اسٹرلنگ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ نازیوں کی مشین گن تباہ کر دی جائے۔ ساتھ ہی اُس نے ایک جیپ کو اشارہ کیا کہ قریب آ کر اُسے اٹھالے۔ اسٹرلنگ کے ساتھیوں کی مشین گنوں نے جلد ہی نازی مشین گن تباہ کر دی۔

اِسٹرلنگ نے اپنے ساتھیوں کو فائرنگ روکنے کا حکم دیا۔ پلک جھپکتے میں وہاں بالکل سناٹا چھا گیا۔ بس ہوائی جہازوں کے جلنے کی وجہ سے ایسی آواز آ رہی تھی جیسے بہت بڑے کڑھاؤ میں تیل پک رہا ہو اور اس میں کچھ چیزیں تلی جا رہی ہوں۔

ڈیوڈ اِسٹرلنگ نے اپنے ساتھیوں سے گولہ بارود کے متعلق معلومات کیں، تو اُسے معلوم ہوا کہ اُن کے پاس اب گولیوں کا تھوڑا ہی ذخیرہ رہ گیا ہے۔ اسٹرلنگ نے حکم دیا کہ اب

اُس وقت تک گولی نہ چلائی جائے جب تک یہ یقین نہ ہو کہ ہر گولی کار آمد ثابت ہوگی۔ پھر اُن کی گاڑیاں دوبارہ آگے بڑھنے لگیں۔ ہوائی اڈّے پر کھڑے ہوئے دوسرے جہاز بھی ایک ایک کر کے جلنے لگے۔ اس مرتبہ وہی جے یو ۵۲ قسم کے جہاز تباہ ہو رہے تھے جن کی جنرل رومیل کو سخت ضرورت تھی۔

اسٹرلنگ کو جب یہ اطمینان ہو گیا کہ تمام جہاز جل چکے ہیں اور ہوائی اڈّا پوری طرح تباہ ہو چکا ہے تو اُس نے اپنے ساتھیوں کو واپسی کا حکم دیا۔ اب تو ان کا راستہ روکنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ چناں چہ ان کی گاڑیاں واپس ہونے لگیں، لیکن اسی وقت اُنھیں ایک ایسا ہوائی جہاز نظر آیا جسے اس حملے سے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ اس وقت تک انھیں تمام جہازوں کو تباہ کرنے میں خاصی دیر ہو چکی تھی، لیکن دیر ہونے کے باوجود وہ لوگ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ دشمن کا ایک جہاز صحیح سلامت چھوڑ جائیں۔ یہ ایک جہاز بھی انھیں نقصان پہنچا سکتا تھا۔

اسٹرلنگ کے ساتھیوں کی جیپوں میں سے ایک شخص کُود کر اس جہاز کی طرف بڑھا۔ یہ شخص اسٹرلنگ کا نائب پیڈی مین تھا۔ اسپیشل ایئر سروس (ایس اے ایس) قائم کرنے والوں میں پیڈی مین بھی شامل تھا۔ اسے ایس اے ایس میں بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے نازیوں کے اتنے جہاز تباہ کیے تھے کہ برطانیہ کی فضائی فوج کے کسی پائلٹ نے بھی نہ کیے ہوں گے۔

پیڈی مین تیزی سے نازیوں کے جہاز کی طرف بڑھا اور جہاز کے پہیوں میں کوئی چیز لگا دی، پھر تیزی سے دوڑتا ہوا واپس آ گیا۔ اصل میں پیڈی مین یہ برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا وہ کسی جگہ موجود ہو اور اُس کی زندگی میں اُس کے ہاتھوں سے نازیوں کا کوئی جہاز بچ جائے۔ اسی لیے اُس نے یہ خطرہ مول لیا تھا کہ کم وقت میں بھی اس جہاز کو تباہ کرنے کی کوشش کرے۔ اُس نے جہاز کے پہیوں میں جو چیز لگائی تھی وہ ایک خاص قسم کا بم تھا۔ جسے لیوس بم کہتے تھے۔ پیڈی مین اپنی جیپ میں سوار ہو گیا اور جیپ تیزی سے آگے بڑھ کر باقی جیپوں کے ساتھ مل گئی، اُسی وقت ایک زور کا دھماکا ہوا اور نازیوں کا یہ آخری ہوائی جہاز بھی دھڑا دھڑ جلنے لگا۔ ان شعلوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے بھوت میجر ڈیوڈ اسٹرلنگ اطمینان سے اپنے ٹھکانے پر واپس پہنچ گیا۔

س : پھول سے خوش بُو کیسے آتی ہے؟ واحدہ یاسمین، کراچی

ج : خوش بُو اور بد بُو ان نہایت مختصر ذرّات کی بہ دولت ہم تک پہنچتی ہے جو اس پھول یا جسم سے نکلتے ہیں اور ہمیں نظر نہیں آتے۔ یہ ذرّات ہماری ناک میں داخل ہو کر ہماری سونگھنے کی قوّت کو تحریک دیتے ہیں اور ہمارا دماغ ہمیں بتاتا ہے کہ ہم کیا سونگھ رہے ہیں۔

س : زمین اپنے محور کے گرد کس سمت سے کس سمت میں گھومتی ہے؟
صفدر علی، منچن آباد

ج : مغرب سے مشرق کی طرف۔

س : آج کل لفظ میزائل اخبارات کی زینت بنا ہوا ہے۔ آخر یہ ہے کیا چیز اور اس کا اہم کام کیا ہے؟ طارق وہاب، نصیر پور سندھ

ج : لفظ میزائل کے معنی کسی ایسی شے کے ہیں، جسے پھینکا جا سکے۔ اخباری دنیا میں اُس سے راکٹ جیسا کوئی ہتھیار مراد ہوتا ہے، جس میں کوئی انسان سوار نہیں ہوتا بلکہ اُسے دشمن کے ٹھکانوں پر تباہی مچانے کے لیے پھینکا جاتا ہے۔ یہ گولہ بھی ہو سکتا ہے یا کوئی دوسری چیز بھی، جو دشمن کے ٹھکانے پر گر کر پھٹتی ہے اور زبردست تباہی مچاتی ہے۔

س: کیا اُڑن طشتریوں کا واقعی کوئی وجود ہے؟ یا وہ صرف کہانیوں تک ہی محدود ہیں؟
خواجہ مجسم زرخیز، سیال کوٹ

ج: ہم اس سوال کا جواب ان صفحات میں کئی بار دے چکے ہیں کہ اُڑن طشتریوں سے وہ گول مٹول اشیا مُراد ہوتی ہیں جو مختلف ملکوں میں آسمان پر دیکھی گئی ہیں۔ ان کے متعلق قیاس کیا جاتا رہا ہے کہ وہ کسی دوسری دنیا سے آتی ہیں جہاں ہم سے بھی زیادہ ذہین مخلوق آباد ہے، لیکن ابھی تک قطعی طور پر اس خیال کی تصدیق نہیں ہوسکی، کیوں کہ ہم کسی ایسی مخلوق کو پکڑنے اور اُس سے پوچھ گچھ کرنے میں کام یاب نہیں ہوسکے۔

س: سمندر سے خام تیل کیسے حاصل کیا جاتا ہے؟
خالد مجید مغل، کراچی

ج: اُسی طرح، جیسے خشکی پر کیا جاتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پانی پر ایک طرح کا پلیٹ فارم تعمیر کیا جاتا ہے جس پر انجینئر اپنے سازوسامان کے ساتھ پہنچ کر سمندر کی تہ میں برما اُتارتے ہیں اور تیل حاصل کرتے ہیں۔ تیل اصل میں زمین کی اندرونی تہ کے گوشوں میں پھنسا ہوا ملتا ہے۔ یہ گوشے خشکی کے نیچے بھی ہوسکتے ہیں اور سمندر کے نیچے بھی۔ تیل کی مانگ برابر بڑھ رہی ہے، اس لیے اِنجینئر اُسے خشکی کے علاوہ سطحِ سمندر کے نیچے بھی تلاش کر رہے ہیں۔

س: انسان جب اپنے سَر کے بال کاٹتا ہے تو وہ بڑھ جاتے ہیں، لیکن جب انسان کا ہاتھ یا پیر کٹ جاتا ہے تو وہ کیوں نہیں بڑھتا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟
منصورہ قریشی، روہڑی سندھ

ج: انسان کے بال اُس کے ہاتھ پیروں سے مختلف ہوتے ہیں۔ بالوں کی جڑیں ہوتی ہیں۔ جن کے ذریعے سے وہ ہماری کھوپڑی سے غذا حاصل کرتے ہیں اور بڑھتے ہیں، لیکن ہاتھ پیروں میں قدرت نے یہ صلاحیت نہیں رکھی کہ وہ کٹ جانے کے بعد دوبارہ اُگ آئیں یا بڑھنے لگیں۔ وہ ہمیں ایک ہی بار ملتے ہیں، اس لیے ہمیں ان کی پوری حفاظت کرنی چاہیے۔

س: کیا پیاز میں آنسو گیس ہوتی ہے، کیوں کہ جب ہم پیاز کاٹتے ہیں تو آنکھوں سے

آنسو بہنے لگتے ہیں۔ اگر یہ گیس نہیں ہوتی تو آنسو بہنے کی کیا وجہ ہے؟

منصورہ قریشی، روہڑی سندھ

ج: پیاز میں ایک طرح کا ترشہ یا تیزاب موجود ہوتا ہے۔ جب ہم پیاز کاٹتے ہیں تو اُس کا اثر ہماری آنکھوں میں جاتا ہے۔ تیزابیت کی وجہ سے ہماری آنکھوں سے پانی بہنے لگتا ہے۔

س: ہوا کن کن گیسوں کا مجموعہ ہے؟ ہوا نظر کیوں نہیں آتی؟

محمد عزیز اللہ عابد، بوریوالہ

ج: اہم گیسیں یہ ہیں: نائٹروجن، ہائیڈروجن اور اوکسی جن۔ ان کے علاوہ بخارات، آرگون وغیرہ بھی خفیف مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ یہ تمام گیسیں اتنی شفاف اور لطیف ہوتی ہیں کہ ہم انھیں دیکھ نہیں سکتے۔ اس لیے ہمیں ہوا نظر نہیں آتی، لیکن جب چلتی ہے تو ہمیں آسانی سے محسوس ہو جاتی ہے۔ درختوں کے پتّے بھی ہلنے لگتے ہیں۔

س: پلاسٹک سرجری کیا ہے؟ اس کے کیا فائدے اور کیا نقصانات ہیں؟

انتخاب رسول، حیدر آباد

ج: اس کا مقصد بگڑی ہوئی شکل کو ٹھیک کرنا ہوتا ہے۔ بعض اوقات جنگ یا کسی حادثے کے نتیجے میں یا یونہی پیدائشی طور پر کسی کی شکل بگڑی ہوئی ہوتی ہے، کسی کی ناک ٹیڑھی ہوتی ہے یا کوئی ایسا نقص ہے جس سے وہ شخص بدصورت معلوم ہوتا ہے تو اس فن کے ماہر سرجن خاص طریقوں سے یہ خرابی دُور کر دیتے ہیں۔ یہ عمل پلاسٹک سرجری کہلاتا ہے۔ اس کا فائدہ یہی ہے کہ بدصورت آدمی خوب صورت ہو جاتا ہے۔ نقصان کوئی نہیں۔

س: اکثر لوگ نیند میں چلنے لگتے ہیں۔ کیا یہ کوئی بیماری ہے؟ اس بارے میں سائنس کیا کہتی ہے؟

غزالہ منیر شیخ، لاڑکانہ

ج یہ کوئی سائنسی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ ایک عادت ہے۔ جس طرح بعض آدمی سوتے میں

بڑبڑاتے ہیں، اسی طرح بعض آدمی سوتے سوتے اپنی چارپائی سے اُٹھ کر اِدھر اُدھر تھوڑا سا چلتے ہیں اور پھر اپنے بستر پر آکر سو جاتے ہیں، لیکن کبھی کبھی حادثہ بھی پیش آسکتا ہے، چناں چہ ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ چلنے والا چھت سے نیچے گر پڑا۔ اس عادت کو جاری نہیں رہنا چاہیے اور ایسے آدمی کو تنہا نہیں سونا چاہیے۔ حفاظت ضروری ہے۔

س: الیکٹری سٹی اور الیکٹرونکس میں کیا فرق ہے؟ شکیل احمد عزیز، کراچی

ج: الیکٹری سٹی بجلی کو کہتے ہیں اور یہ کافی پرانی اصطلاح ہے۔ اسی کی ایک شاخ اس کے نام کی رعایت سے الیکٹرونکس کہلائی، جس میں وہ تمام برقی کمالات آتے ہیں، جو آج آپ اپنے چاروں طرف دیکھتے ہیں۔ معمولی کیلکو لیٹر سے لے کر ٹیلے وژن اور خلائی راکٹ تک۔ سب میں الیکٹرونکس کا اطلاق پایا جاتا ہے۔ یہ ایک نئی شاخ ہے۔

س: کیا وجہ ہے کہ برف پر اگر نمک چھڑک دیا جائے تو برف جلد نہیں پگھلتی؟ محمد اسلم بیگ، کراچی

ج: برف پر نمک ڈالنے سے مزید خنکی پیدا ہوتی ہے، اس لیے برف جلد نہیں پگھلتی۔ آئس کریم بناتے وقت بھی اس کی مشین میں برف بھر کر اوپر سے پسا ہوا نمک چھڑکتے ہیں۔ اس طرح خنکی زیادہ پیدا ہوتی ہے۔

س: تیل اور پانی آپس میں حل کیوں نہیں ہوتے؟ خالد عبد اللہ خاں چاچڑ، سکھر

ج: اس لیے کہ تیل پانی سے ہلکا ہوتا ہے اور اوپر آجاتا ہے۔ یوں بھی کیمیائی طور پر وہ مختلف اشیا ہیں۔ آپس میں حل نہیں ہو سکتیں۔

س: کیا ہمارے جسم میں نسوں کی تعداد مخصوص ہے یا گھٹتی بڑھتی رہتی ہے؟ زاہد گل ثاقب

ج: نسوں کی تعداد ایک ہی رہتی ہے، گھٹتی بڑھتی نہیں۔

محمد کمال، کراچی

اے۔ ایچ عبدالحق بھیرا

محمد مشتاق احمد، علی وانی

سید ارشاد علی نقوی، کراچی

خالد مجید مغل، کراچی

عابد شکور، کراچی

نیچے لکھے ہوئے سوالات کے جوابات ۱۵ جولائی ۸۴ء تک ہمیں بھیج دیجیے اور ان پر معلومات عامہ ۲۱۹ ضرور لکھ دیجیے۔ جوابات الگ کاغذ پر نمبروار لکھیے اور آخر میں اپنا نام اور پتا بھی لکھیے۔ تصویر کے پیچھے اپنا نام اور اپنے شہر یا قصبے کا نام ضرور تحریر کریں۔

۱۔ کس شخصیت کے اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمانوں نے پہلی مرتبہ خانۂ کعبہ میں علانیہ باجماعت نماز ادا کی۔

۲۔ قیامِ پاکستان کے بعد پہلا عجائب گھر کس شہر میں قائم کیا گیا؟

۳۔ لفظ ابتدا کا مخالف لفظ بتائیے۔

۴۔ کون سا جانور رنگ بدلنے میں سب سے زیادہ مشہور ہے؟

۵۔ اس مشہور فاتح اور جنگ جو تاتاری سردار کا نام بتائیے جس نے انسانی سروں کا مینار بنوایا تھا؟

۶۔ بتائیے بحرِ اعظم ایشیا کا رقبہ سب سے زیادہ ہے یا بحرِ اعظم یورپ کا؟

۷۔ ربر کی سب سے گہری کان کس ملک میں ہے؟

۸۔ "میں موت سے بالکل نہیں ڈرتا" بتائیے یہ آخری الفاظ کس مشہور سائنس داں کے ہیں۔

۹۔ اگر ایک بارہ منزلہ عمارت سے دو پتھر ایک ساتھ پھینکیں جائیں جس میں ایک کھوکھلا ایک ٹھوس ہو تو بتائیے پہلے کون سا پتھر گرے گا۔

۱۰۔ زلزلے کے جھٹکے ناپنے کے لیے جو آلہ استعمال ہوتا ہے اُسے کیا کہتے ہیں؟

صحت مند نونہال

ظفر اقبال نیازی، سرگودھا

عبدالوحید، کراچی

منیزہ سلطانہ، کراچی

محمد جاوید عبدالغنی، کراچی

ثمن اقبال ڈالی، سکھر

عبدالرزاق ابراہیم کھتری، کراچی

کاشف حسین، لاڑکانہ

عمران مبین، کراچی

ملک ارشد احمد، کراچی

عبدالروف صدیقی، کراچی

نعیم، حیدرآباد

سید ذاکر حسین، لاہور کینٹ

عقیل احمد خان، کراچی

محمد علی شیخ، نواب شاہ

ساجد محمود، بہاول نگر | آغا محمد یحییٰ، کراچی | چوہدری محمد امجد، کراچی | ظفر احمد، کراچی

محمد عمران مقبول، کراچی | راجا محمد ارشاد اللہ بھٹی، کراچی | امیر حسین، تحصیل علو والی | سہیل اقبال احمد آرائیں، کراچی

ریاض اللہ، کراچی | فرزانہ، کراچی | ارشد احمد، روہڑی | محمد فاروق رانجھا، تمترال

محمد یونس ہمدم آزاد، کوٹ غلام محمد | گل روز خان | محسن جعفری، کراچی | ثاقب بن عشرت، کراچی

بوجھو تو جانیں

وہ کیا چیز ہے؟

ایک سائنس داں نے کہا، "میں ایسی چیز ایجاد کرنے والا ہوں کہ جس سے لوگ دیوار کے دوسری طرف دیکھ سکیں گے۔"

لیکن ایک ایسی چیز پہلے ہی موجود ہے جس سے دیوار کے دوسری طرف دیکھا جا سکتا ہے۔ سوچیے وہ کیا چیز ہے؟

کون سا لفظ

وہ کون سے پانچ حرفی لفظ ہیں جنھیں اُلٹا پڑھیں تو بھی وہی لفظ بنتا ہے۔

ملکوں کے نام بتایئے

تم صِرف باتیں ہی بنا سکتے ہو۔ کام نہیں کر سکتے۔

مجھے کپڑے دھونے کا سوڈا نہیں چاہیے۔

یہ سڑک کراچی نہیں جاتی۔

بھا بتو، نان بائی جھوٹا آدمی ہے

مُعمّا

خالی بچے ہوئے خانوں کو اس طرح پُر کریں کہ ہر طرف جمع کرنے سے اٹھارہ جواب آئے۔

۵		۳
	۶	
		۷

پہیلی

اوپر سے گری فاختہ ـــ مُنھ لال کلیجا کانپتا

(جوابات اگلے ماہ کے ہمدرد نونہال میں دیکھیے)

مُسکراتے رہو

بیگم: (شوہر سے) آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ انصاری کی ازدواجی زندگی آرام سے گزرے گی؟

شوہر: (اطمینان سے) کیوں کہ وہ اونچا سنتا ہے۔

"آپ کی شکل بہت جانی پہچانی معلوم ہوتی ہے۔" راہ میں چلتے نوجوان نے خاتون کو روک کر کہا۔

"جی ہاں یقیناً! میں پاگل خانے کی نرس ہوں۔"
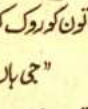
خاتون نے جواب دیا۔

بیوی شوہر سے: "تمھارے اتنے قریبی دوست کی بیوی فوت ہو گئی اور تم تعزیت کو بھی نہیں گئے؟"

"نہیں مجھے شرم آتی ہے، اس نے مجھے چاروں مرتبہ اپنی بیویوں کی وفات کی اطلاع دی اور میں ایک مرتبہ بھی نہیں دے سکا۔"

مرسلہ: احمد ندیم، کراچی

مُلّا نصر الدین اپنی عقل مندی کی وجہ سے مشہور ہیں۔ ایک دفعہ کچھ لوگ اُن کے پاس چاقو لے کر آئے اور پوچھا "یہ کیا ہے؟"

مُلّا کو اپنی عقل مندی پر بڑا ناز تھا، مُسکرا کر کہنے لگے، "تم کیا جانو، یہ آری کا بچّہ ہے۔ جس کے ابھی دانت نہیں نکلے۔"

مرسلہ: محمد اشرف ایوب، کراچی

گاہک: آپ کی دُکان کے باہر بورڈ لگا ہوا ہے کہ اس دُکان میں اعلا قسم کی تصویریں ملتی ہیں، لیکن سامنے دیکھیے کس قدر بدصورت تصویر لگا رکھی ہے آپ نے؟

دُکان دار: معاف کیجیے گا وہ آئینہ ہے تصویر نہیں۔

مرسلہ: زلیخا سلطان، کراچی

اسلم: بڑے اچھے جوتے ہیں کب خریدے؟

اسلم بھائی: پچھلی سے پچھلی عید پر لیے تھے، دو مرتبہ ان کی مرمت کروائی، تین مرتبہ انھیں مسجد میں تبدیل کیا اور پھر بھی نئے ہی معلوم ہوتے ہیں۔

ایک پروفیسر صاحب نے ان کی بیوی سے کہا، "اجی آپ نے سُنا، ہمارا مُنّا اب چلنے لگا ہے۔" پروفیسر صاحب بولے "کب سے؟" بیوی نے کہا آٹھ دن ہو گئے۔ پروفیسر صاحب گھبرا کر بولے، "تم اب بتا رہی ہو، اب تک تو وہ کافی دُور نکل گیا ہوگا۔"

شوہر (بیوی سے): دیکھو، مُنّا کب سے ضد کر رہا ہے کہ گدھے پر بیٹھوں گا۔

بیوی: سوچتے کیا ہو، اپنے کندھے پر بٹھا لو۔

مہمان: جب سے میں کھانے کی میز پر بیٹھا ہوں، تمھاری بلّی میرا منھ تکے جا رہی ہے۔

میزبان: بے چاری اپنا پیالا پہچانتی ہے۔

مرسلہ: ریاض احمد

وکیل: (ڈاکٹر سے) آپ کی ذرا سی غلطی آدمی کو چھے فیٹ نیچے دفن کر سکتی ہے۔

ڈاکٹر: (وکیل سے) اور آپ کی ذرا سی غلطی آدمی کو چھے فیٹ اوپر لٹکا سکتی ہے۔

مرسلہ: محمد جمیل احمد اعوان، ٹنڈو محمد خان

ایک صاحب ڈرائیوری کا امتحان دینے کے لیے گئے۔ واپسی پر کسی دوست نے پوچھا، کیوں بھئی، امتحان کیسا رہا؟ وہ صاحب بولے، جب میں ہسپتال سے آیا تو اس وقت تک امتحان لینے والا ہوش میں نہیں آیا تھا۔ معلوم نہیں نتیجہ کیا نکلتا ہے۔

مرسلہ: ملک محمد اشرف راہی، شادی پلّی

ایک لڑکا (دوسرے سے) میرے ابّا جان کے پاس سو سے زیادہ میڈل اور درجنوں ٹرافیاں ہیں۔

دوسرا: تو کیا تمھارے ابّا ہاکی یا فٹ بال کے کھلاڑی ہیں۔

پہلا: نہیں وہ لوگوں کی چیزیں گروی رکھتے ہیں۔

مرسلہ: لیاقت رسول، فیصل آباد

ایک صاحب لوگوں کو آٹو گراف دیتے دیتے تنگ آ گئے تو ایک صاحب کی آٹو گراف بُک پر گدھے کی تصویر بنا دی۔ وہ صاحب جھنجھلا کر بولے، "جناب! میں نے آٹو گراف مانگا ہے فوٹو گراف نہیں۔"

مرسلہ: روبینہ اختر، کراچی

میں اور میرا دوست جواد ایک ہوٹل میں بیٹھے چائے پی رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ خوش گپیوں میں بھی مصروف تھے کہ اچانک ہوٹل کے دروازے پر تین نوجوان غنڈے پستول لیے ہوئے داخل ہوئے اور اعلان کیا کہ کوئی شخص غلط حرکت نہ کرے اور سب لوگ اپنا اپنا مال میزوں پر رکھ دیں۔ جواد نے آہستہ آہستہ اپنی جیب سے پانچ سو رُپے میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا، "لو بھائی، تم بھی کیا یاد کرو گے کہ کس رئیس سے پالا پڑا تھا۔ دو سال پہلے میں نے تم سے جو پانچ سو رُپے قرض لیے تھے وہ آج واپس دے دیتا ہوں۔"

مرسلہ: عرفان حیدر، راول پنڈی

اس شمارے کے چند مشکل الفاظ

ہر لفظ کے سامنے اُس زبان کا اشارہ بھی لکھا گیا ہے جس سے وہ لفظ اردو میں آیا ہے ۔ یہ اشارے اس طرح سے لکھے ہوئے ہیں : ع = عربی ، ف = فارسی ، ہ = ہندی، س = سنسکرت، ت = ترکی، انگ = انگریزی، الف = اردو۔

مداوا :(ع) مُدَ ا وَ ا : علاج، دوا، چارہ، تدبیر۔

مُخبر :(ع) مُخْ بِر : خبر دینے والا، جاسوس۔

ورد :(ع) وِ رْ دْ : یاد کرنا، ازبر کرنا، کسی نام کو رٹنا۔

ٹُھنٹھ :(ھ) ٹُھنْ ٹھ : سوکھا ہوا درخت، جس کے پتے اور ڈالیاں گر پڑی ہوں۔

ٹِھیا :(ھ) ٹِھ یا : بیٹھنے کی جگہ، دُکان دار کی گدی، ڈھیر۔

زیست :(ف) زِ یس ت : زندگی، حیات۔

شجاعت :(ع) شَجا عَت : بہادری، دلیری

متاع :(ع) مَ تا ع : پونجی، تجارت کا مال، اثاثہ۔

مقفّیٰ :(ع) مُقَفْ فَا : قافیہ وار، جس میں قافیے ہوں۔

آزمودہ :(ف) آ زْ مُو دَ ہْ : آزمایا ہوا۔

تعبیر :(ع) تَعْ بِیْر : مطلب بیان کرنا، خواب کا مطلب یا نتیجہ بتانا، معنی نکالنا۔

چُہل :(ہ) چُہَلْ : ہنسی، خوش مزاجی، مذاق۔

کُلیہ :(ع) کُل لِ یَہ : عام قاعدہ، اصول، گردہ۔

عرش :(ع) عَرْ شْ : تخت، چھت۔

مُستثنیٰ :(ع) مُسْ تَثْ نَا : جو بات یا چیز یا شخص جو عام قاعدے یا حکم سے الگ یا خارج ہو۔

عجز :(ع) عَ جْز : ناچاری، منت سماجت، عاجزی، گڑگڑانا۔

مسکین :(ع) مِسْ کِین : غریب، نادار، بے چارہ، حلیم، بُردبار۔

شجرہ :(ع) شَجْ رَ ہْ : نسب نامہ، وہ کاغذ جس میں مورثِ اعلا کی کُل اولاد کے نام ترتیب وار درج ہوں۔

فی البدیہہ :(ف) فِلْ بَدِ ہی ہْ : زیادہ سوچے بغیر فوراً کہنا، جیسے بعض شاعر سوچے بغیر فوراً شعر کہہ دیتے ہیں۔

شہ پارہ :(ف) شَہ پَا رَ ہْ : ادب یا فن کا خوب صورت یا عمدہ ٹکڑا۔

نظارہ :(ع) نَظَارَہْ ۔ نَظْ ظَا رَہْ : دیکھنا، نظر ڈالنا، نظر، تماشا، دیدار، سیر۔

ثنا خواں :(ع) ثَنَا خْوَا ں : ثنا پڑھنے والا، تعریف کرنے والا، مداح۔

حمد

مرسلہ: محمود ہارون چھوٹانی، کراچی

دنیا، سورج، چاند، ستارے
مولا تیرے سب شہ پارے

رنگیں رنگیں روشن روشن
تیرے نور کے یہ نظارے

سُنتا ہے تو فوراً اس کی
مشکل میں جو تجھ کو پُکارے

تیرے در پر ہی جُھکتے ہیں
درد و رنج و الم کے مارے

تیرا بندہ تیرے رسوا اب
اور کہیں دامن نہ پسارے

نعت

مرسلہ: محمد جاوید امین، ٹڈگری

زہے قسمت ہماری ہم غلامانِ محمدؐ ہیں
خدا خود بھی فرشتے بھی ثنا خوانِ محمدؐ ہیں

شہِ لولاک جُملہ انبیا میں یوں بھی ہیں یکتا
جو فرمایا گیا قرآں میں سُبحٰن الّذی اَسریٰ

سخاوت کا یہ عالم ہے کہ جو سائل بھی آتا ہے
مُرادیں دل کی پاتا اور جھولی بھر کے جاتا ہے

کوئی ایسا سخی ہم نے زمانے میں نہیں دیکھا
جو بانٹے نعمتیں اوروں میں لیکن خود رہے بھوکا

یہ اُس مسند نشینِ عرش کی شانِ کریمی ہے
جو محتاجوں کا والی بے بہا دُرِّ یتیمی ہے۔

ہے روضہ آپؐ کا جلوہ گہہِ انوارِ ربّانی
یہیں سے چھن کے ملتی ہے جہاں والوں کو تابانی

مجاہد آزادی

عروج فاطمہ، حیدر آباد

ٹیپو سلطان ۲۱۔ دسمبر ۱۷۵۰ء میں پیدا ہوا۔ اس کے والد حیدر علی نے اسے اچھی تربیت دلوائی۔ ۱۵ سال کی عمر میں وہ اپنے والد کے ساتھ جنگوں میں شریک ہونے کے قابل ہوگیا۔ ٹیپو سلطان برّصغیر کا ایک عظیم مجاہد تھا جس کی زندگی کا اعلا مقصد وطن کو انگریزوں کے تسلّط سے آزاد کرانا تھا۔ جس کے لیے اس نے پوری جدوجہد سے کام لیا۔ وہ آزمائشوں کی کڑی منزل سے گزرا۔ یہ ہندستان کی سرزمین پر مسلمانوں کی تاریخ کا نہایت اہم زمانہ تھا۔ اس وقت مسلمانوں کی قوت تیزی سے زوال آمادہ تھی۔ اور انگریزوں کا اقتدار روز بہ روز ملک پر چھاتا جارہا تھا۔ ٹیپو سلطان نے اپنے ملک کو آزاد کرانے کے لیے بڑی شجاعت سے کام لیا اور وہ آخر دم تک انگریزوں سے لڑتا رہا۔ حتیٰ کہ میسور کی چوتھی جنگ کے دوران جامِ شہادت نوش کیا۔ ٹیپو کی موت سے نہ صرف میسور بلکہ پورا ہندستان آزادی کے ایک بہت بڑے مجاہد سے محروم ہوگیا۔ اور آزادیِ ہند کے جہاد کا پہلا مرحلہ اس کی شہادت کے ساتھ طے ہوا۔ ٹیپو سلطان علم و ادب کا بڑا سرپرست تھا۔ اس کی سرپرستی میں سرنگاپٹم میں یونی ورسٹی قائم ہوئی۔ علم و فن نے اس کو اعلا مرتبت انسان بنادیا تھا۔ وہ ایک شیر کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ ٹیپو کو ناامیدی نے کبھی نہیں گھیرا۔ وہ تنِ تنہا انگریزوں کی زبردست طاقت سے نبرد آزما رہا۔ جب اسے زندگی کے آخری لمحات میں مشورہ دیا گیا کہ وہ انگریزوں سے مصالحت کرلے تو اس نے یہ تاریخی کلمہ اپنی زبان سے ادا کرکے اپنی عظمت میں اور اضافہ کرلیا:

"شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سوسالہ زندگی سے بہتر ہے۔"

بادشاہ اور سائیس

محمد اسلم قریشی، ٹنڈو الہ یار

بہت دنوں کی بات ہے ایک دن ایران کا ایک مشہور بادشاہ شکار کھیلتا ہوا اس چراگاہ میں پہنچ گیا جہاں اس کے گھوڑے چرا کرتے تھے۔ بادشاہ کا لشکر پیچھے رہ گیا تھا اور اس وقت وہ تنہا تھے۔ شاہی سائیس نے جب شہنشاہ کو دیکھا تو وہ استقبال کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ بادشاہ نے سمجھا کہ یہ شاید کوئی دشمن ہے۔ جو مجھے تنہا پاکر قتل کے ارادے سے میری طرف بڑھ رہا ہے۔ اس نے فوراً کندھے سے کمان اُتاری اور سائیس کا نشانہ لے کر تیر چلانے کا ارادہ کیا۔ سائیس نے یہ دیکھا تو خوف زدہ ہوکر چلّایا، "حضور، مجھے پہچانیے۔ میں دشمن نہیں، حضور کے گھوڑوں کی نگرانی کرنے والا سائیس ہوں۔"

بادشاہ نے یہ بات سُن کر ہاتھ روک لیا اور کہا، کہ تیری قسمت اچھی تھی جو بچ گیا، ورنہ میں نے کمان کا چلّا چڑھالیا تھا۔ اگر تُو مجھے نہ بتاتا تو تیری ہلاکت یقینی تھی۔ سائیس نے کہا، "حضور والا، یہ بہت تعجب کی بات ہے کہ حضور اپنے اس خادم کو نہ پہچان سکے جو کئی بار سلام کے

لیے خدمت میں حاضر ہو چکا ہے۔ میں ایک معمولی چرواہا ہوں، لیکن اپنے گلّے کے ایک ایک گھوڑے کو پہچانتا ہوں۔ حضورِ والا جس گھوڑے کو طلب فرمائیں، لاکھ گھوڑوں میں سے اسے نکال لاؤں گا۔

اے شہنشاہ عالی وقار! یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ آپ اپنی رعایا سے اس طرح غافل ہوں کہ دوست اور دشمن میں تمیز نہ کر سکیں۔ حکمرانوں کو لازم ہے کہ وہ تمام رعایا اور اُن کے احوال سے واقف ہوں حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ رعایا کا دکھ درد جانے اور ان کا مداوا کرے۔

اے شہنشاہ! اگر کوئی ظالم آپ کی سلطنت میں کسی پر ظلم کر رہا ہے اور آپ اس سے واقف نہیں ہیں تو وہ دراصل آپ کا ظلم ہے۔

بادشاہ اس گلہ بان کی حکیمانہ باتوں سے بہت متاثر ہوا اور اسے انعام و اکرام سے نوازا۔

سچّے لفظوں کی مہک

مرسلہ: نگہت شکور ندا

جس جگہ رہیے جہاں بھی جائیے
سچّے لفظوں کی مہک پھیلائیے
زندگی کے لالہ زاروں میں کہیں
دھوپ ہو تو سایہ بن کے چھائیے
چاند بھی اچھا ہے سورج بھی مگر
آپ رستے کا دِیا بن جائیے

لوگ تو صدیوں کو اپنا کر گئے
کوئی لمحہ آپ بھی اپنائیے
آپ کے گھر روشنی کے نام کا
ایک جگنو ہی سہی چمکائیے (رئیس فروغ)

سائکل اور ہم

فضیلہ آصف، شاہ پور چاکر

ہم نے جب سے ابّا جان سے یہ بات سُنی تھی کہ اگر ہم امتحان میں فرسٹ آئے تو ہمیں امتحان میں ایک سائکل ملے گی، ہمیں اُسی دن سے امتحان کا انتظار رہنے لگا خدا خدا کر کے امتحان نزدیک آیا اور ہم دن رات اس کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ اور جب ہم امتحان کا پہلا پرچہ دے کر آئے تو ہم بہت خوش تھے، کیوں کہ پرچہ بہت اچھا ہوا تھا۔ بالآخر امتحان بھی ختم ہوا۔ اب ہمیں امتحان کے نتیجے کا انتظار رہنے لگا۔ آخر کار وہ دن بھی آگیا اور ہم صبح ہی صبح اسکول پہنچے اور ڈیسک پر بیٹھتے ہی ایسا لگا جیسے ہم سائکل پر سوار ہیں۔ اب ہیڈ مسٹریس نتیجہ سُنا رہی تھیں۔ انھوں نے جب میرا رزلٹ سُنایا تو ہم خوشی سے اُچھل پڑے، کیوں کہ ہم اپنے اسکول میں اوّل آئے تھے۔ ہم سیدھے اسکول سے گھر پہنچے اور ابّا جان کو یہ خوش خبری سنائی کہ ہم اسکول میں اوّل آئے ہیں۔ ابّا جان نے اپنا وعدہ پورا کیا اور مجھے سائکل خرید کر دی۔ خیر جناب، ہم اوّل بھی آگئے اور سائکل بھی آگئی، لیکن اب اصل مسئلہ سائکل چلانے کا تھا، کیوں کہ ہمیں سائکل چلانی آتی نہیں تھی، لیکن جناب آپ یہ نہ سمجھیے

کہ ہمیں سائکل چلانی بالکل نہیں آتی۔ بس کسی طرح چلا ہی لیتے تھے۔ چناں چہ ہم سائکل باہر لے کر آگئے اور اپنے آپ کو تیس مار خاں سمجھنے لگے۔ ابھی ہم سائکل پر بیٹھنا ہی چاہ رہے تھے کہ سائکل ہمارے اوپر آگری۔ یعنی ہم نیچے اور سائکل ہمارے اوپر، لیکن خوشی کا یہ عالم تھا کہ چوٹ کا بالکل احساس نہیں ہوا۔ سائکل پر بیٹھتے اور گرتے پڑتے سڑک پر پہنچ گئے۔ ہم نے دیکھا کہ سڑک پر دو لڑکے سائکل پر ریس کر رہے ہیں۔ ہم بھی ریس میں شامل ہو گئے، لیکن جناب ہم اتنے بے وقوف تھے کہ جب ہم سائکل اچھی طرح چلا ہی نہیں سکتے تھے تو بھلا ریس کس طرح کر سکتے تھے، مگر یہ باتیں تو کوئی عقل مند شخص ہی سوچتا ہے۔ ہم گرتے پڑتے سائکل کی ریس کر رہے تھے کہ ہم نے ذرا نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ دونوں لڑکے بہت دُور نکل چکے تھے۔ اس کے بعد ہم فوراً گر پڑے۔ یہ ہوش ہی نہیں رہا کہ ہم کہاں ہیں۔ جب ہوش آیا تو اپنے آپ کو سائکل سمیت ایک گڑھے میں پایا۔ ہم سائکل کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ سارا جسم درد سے ٹوٹ رہا تھا۔ ہم بڑی مشکل سے گڑھے سے باہر نکلے اور سائکل کو باہر نکالا، لیکن اب بے چاری سائکل کی ایسی حالت نہ تھی کہ ہم اب اُس پر بیٹھ کر گھر جائیں۔ اُس کے سارے پُرزے ڈھیلے ہو گئے تھے۔ دونوں پہیے ایسے ہو گئے تھے کہ اگر اُن کو ہاتھ لگایا گیا تو وہ ٹوٹ جائیں گے اور ہماری اپنی حالت تو سائکل سے بھی بُری ہو رہی تھی۔ سارے کپڑے کیچڑ سے لت پت ہو رہے تھے۔ بڑی مشکل سے سائکل کو دھکا دیتے ہوئے سڑک پر پہنچے تھے کہ سامنے سے ابا جان نے ہمارے کان پکڑ لیے اور ہمیں سارے راستے پیٹتے ہوئے گھر لے آئے۔ جب گھر والوں نے ہماری یہ حالت دیکھی تو ہمارا خوب مذاق اُڑایا۔ شرمندگی سے ہماری نگاہیں جُھک گئیں اور ہم نے توبہ کر لی کہ آئندہ کبھی سائکل پر نہیں بیٹھیں گے۔ لہٰذا بچو! جب تک آپ اچھی طرح سائکل چلانی نہ سیکھ لیں، کبھی سائکل نہ چلائیں۔

ایاز کا کارنامہ

محمد عثمان صدیقی، میرپور خاص

شاہ پور میں بچے اغوا ہو رہے تھے۔ بچوں کو اغوا کرنے والے بَردہ فروش بہت چالاکی اور مہارت سے بچے اغوا کرتے تھے۔ اس صورتِ حال سے پولیس بہت پریشان تھی۔ صرف ایک ہفتے میں سولہ بچے اغوا ہو چکے تھے۔ جب پولیس کسی کی مُخبری پر کہیں چھاپا مارتی تو وہاں کوئی بھی نہ ہوتا اور مُخبری کرنے والے کو بھی غائب کر دیا جاتا۔ پولیس افسران کا خیال تھا کہ پولیس کا کوئی شخص بردہ فروشوں کے گروہ میں شامل ہے۔

انسپکٹر جلال بھی اُن بَردہ فروشوں کو پکڑنے کے لیے اپنی سی کوشش کر رہے تھے۔ انھوں نے ایک جگہ چھاپا مارا تو یہ جاننے میں کام یاب ہو گئے کہ اس گروہ کا کوئی شخص پان بہت کثرت سے کھاتا ہے۔ انسپکٹر جلال کو یہ بات اس طرح معلوم ہوئی کہ جس جگہ انھوں نے چھاپہ مارا تھا وہاں جا بجا پان کے کاغذ پڑے ہوئے تھے۔ اور پان

کی پیک کے نشانات بھی موجود تھے۔

انسپکٹر جلال کسی سوچ میں غرق تھے کہ اُن کا بیٹا ایاز اسکول سے آگیا۔ اس نے اپنے ابّو کو کسی سوچ میں غرق دیکھا تو بولا "ابّو، مجھے معلوم ہے کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں" انسپکٹر جلال مسکرائے اور بولے "تمھیں معلوم ہے تو بتاؤ، میں کیا سوچ رہا ہوں" ایاز نے کہا "ابّو آپ ان بردہ فروشوں کے بارے میں سوچ رہے ہیں جو بچّوں کو اغوا کر رہے ہیں۔ ابّو میں نے اس بارے میں ایک ترکیب سوچی ہے" اور پھر ایاز نے انسپکٹر جلال کے کان میں ترکیب بتادی۔ ترکیب سُن کر انسپکٹر جلال کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اُسی وقت ان کے دروازے پر دستک ہوئی۔ ایاز نے دروازہ کھولا تو دروازے پر انسپکٹر فیروز کھڑے تھے۔ انسپکٹر فیروز، انسپکٹر جلال کے دوست تھے۔ اور وہ پولیس میں نئے نئے ملازم ہوئے تھے۔ ایاز نے انسپکٹر فیروز کو سلام کیا اور انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ انسپکٹر جلال جب کمرے میں داخل ہوئے تو اُن کی نظر اچانک انسپکٹر فیروز کے ہونٹوں پر پڑی جو پان کھانے کی وجہ سے سرخ ہو رہے تھے۔ انسپکٹر فیروز جب تک ان کے پاس بیٹھے رہے ایک کے بعد ایک پان کھاتے رہے۔ جب وہ چلے گئے تو انسپکٹر جلال کے ذہن میں بے اختیار ایک خیال آیا۔ پھر انھوں نے ایاز سے کہا، "اب تم میری ترکیب پر عمل کرو، میری دعائیں تمھارے ساتھ ہیں"

ایاز نے لال روشنائی کی بوتل اور ایک چھوٹا سا چاقو اپنی جیب میں رکھا اور گھر سے نکل گیا۔ اُس کا رُخ ایک سنسان سڑک کی طرف تھا۔ سڑک پر چلتے ہوئے اُسے اپنے پیچھے کسی کے تیز تیز چلنے کی آواز سنائی دی۔ اُس نے اپنی سانس روک لی۔ اچانک اس کے منھ پر ایک کپڑا پڑا اور وہ نیچے گر گیا۔ کپڑا ڈالنے والے نے اس کو ایک بوری میں ڈال دیا۔ اُسی وقت ایک گھوڑا گاڑی ان کے قریب آکر رُکی اور اس بوری کو، جس میں ایاز بند تھا، گھوڑا گاڑی میں ڈال دیا گیا اور گھوڑا گاڑی سڑک پر دوڑنے لگی۔ ایاز نے جیب سے چاقو نکالا اور بوری میں سُوراخ کر دیا۔ لال روشنائی کی بوتل نکال کر ڈھکنا کھولا اور سُوراخ سے روشنائی باہر پھینکنے لگا۔ اس طرح گھوڑا گاڑی والے راستے پر ایک لال لائن بنتی چلی گئی۔ گھوڑا گاڑی اچانک ایک مکان کے سامنے رُک گئی۔ ایک آدمی بوری کو اُٹھا کر مکان کے اندر لے گیا۔ اندر آکر اس آدمی نے کسی شخص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "باس، مستقبل کا ایک اور فقیر آگیا" باس جس کے چہرے پر بڑی بڑی مونچھیں اور داڑھی تھی اور چشمہ بھی لگایا ہوا تھا، بولا "اس مستقبل کے فقیر کو بھی تہ خانے میں بند کر دو" ایاز کو باس کی آواز کچھ جانی پہچانی سی لگی۔ پھر پہلے شخص نے ایاز کو تہ خانے میں بند کر دیا۔ تہ خانے میں بہت سے بچّے بند تھے۔ اچانک ایاز نے کھڑے ہو کر بچّوں کو مخاطب کر کے کہا "ساتھیو! آج ہم ان شاءاللہ تعالیٰ آزاد ہو جائیں گے" یہ سُن کر بچّے حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ پھر اس نے بچّوں کو ساری تفصیل بتادی۔ ابھی وہ پوری طرح تفصیل بتا بھی نہ پایا تھا کہ اچانک سیٹی بجنے

کی آواز آئی اور ایاز خوشی سے چلّا اٹھا، "پولیس آگئی، پولیس آگئی۔" ابھی وہ خوش ہو رہا تھا کہ انسپکٹر جلال تہ خانے میں داخل ہوئے۔ ان کے ساتھ بہت سے پولیس والے بھی تھے۔ انسپکٹر جلال نے آگے بڑھ کر ایاز کو گلے لگا لیا۔ پھر انھوں نے باس کے قریب جاکر اس کی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا، "داڑھی رکھ کر یہ کارنامے کرتے ہو۔" اسی کے ساتھ اسی کی داڑھی کھینچ لی۔ چشمہ اور مونچھیں بھی کھینچ لیں۔ باس کی اصلی شکل دیکھ کر سب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور ایاز کے منھ سے بے اختیار نکلا، "فیروز چچا آپ؟" انسپکٹر جلال نے مسکرا کر کہا، "ہاں انسپکٹر فیروز، میں نے جب پہلی بار چھاپا مارا تھا تو وہاں پیک کے دھبّے اور پان کے بے شمار کاغذ بکھرے پڑے تھے۔ جب انسپکٹر فیروز میرے گھر آیا تو میں نے دیکھا کہ یہ جب تک بیٹھا رہا، لگاتار پان کھاتا رہا اور پیک تھوکتا رہا۔ اسی وقت میں سمجھ گیا تھا کہ یہ اس گروہ میں شامل ہے اور یہ دھندا شروع کرنے سے قبل اس نے پولیس میں نوکری اسی لیے کی تھی کہ یہ قانون کی نظروں سے بچا رہے۔ شاید اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ بڑے سے بڑا مجرم بھی قانون سے نہیں بچ سکتا اور یہی اس کے ساتھ ہوا۔ میرے بہادر بیٹے ایاز کی ترکیب پر عمل کرنے سے یہ بد بخت انسان آپ لوگوں کے سامنے سر جھکائے کھڑا ہے۔" اس کے بعد انسپکٹر جلال اور ایاز نے سب بچّوں کو ان کے گھروں پر پہنچا دیا۔ انسپکٹر فیروز کو عدالت نے کڑی سزا دی۔ انسپکٹر جلال اور ایاز کا یہ شان دار کارنامہ شاہ پور کے باشندوں کو آج بھی یاد ہے۔

شہد کی مکّھی

مسرت روحی، کراچی

آج تک دنیا میں سب سے زیادہ تجربات جس جان دار پر ہوئے ہیں وہ شہد کی مکّھی ہے۔ اس کے بارے میں دنیا کے بے شمار سائنس داں تحقیق و جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ آسٹریلیا کے ایک سائنس داں نے اپنے تجربات میں بتایا ہے کہ جب شہد کی مکّھیاں سنترے کے پھولوں سے رس چوستی ہیں تو انھیں نشہ ہو جاتا ہے اور وہ نشے کی حالت میں ہر سامنے آنے والے کو ڈنک مارنے لگتی ہیں۔

شہد کی مکّھیوں میں سے صرف مادہ شہد کی مکّھی ہی ڈنک مار سکتی ہے۔ نر شہد کی مکّھی کو ڈنک مارنا نہیں آتا۔ مادہ شہد کی مکّھی بھی صرف ایک دفعہ ڈنک مار سکتی ہے، کیوں کہ ڈنک مارنے کے بعد اس کا ڈنک اس جان دار کے جسم میں رہ جاتا ہے۔ البتہ ملکہ شہد کی مکّھی کئی کئی مرتبہ ڈنک مارنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

شہد کی مکّھی کے دو معدے ہوتے ہیں جو ایک جھلّی کے ذریعے سے جُڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس جھلّی کو شہد کی مکّھی حسبِ ضرورت کھول اور بند کر سکتی ہے۔ اگر اسے اپنے لیے خوراک کی ضرورت ہو گی تو وہی حصّہ کُھلے گا جو خاص طور پر خوراک کے لیے ہے اور اگر چھتّے کے لیے ذخیرے جانے کی ضرورت ہو گی تو دوسرا

حصّہ کُھلے گا۔ شہد کی مکھی جو شہد بناتی ہے اس میں لاتعداد لازمی عناصر مثلاً تانبہ، سوڈیم، فاسفورس، کیلشیم، سلفر، میگنیشیم، پوٹاشیم، خمیر اور وٹامن ہوتے ہیں۔ یہ سُن کر سب لوگ حیران ہوں گے کہ برازیل میں شہد کی ایسی مکّھیاں پائی جاتی ہیں جو کھٹّا شہد بناتی ہیں۔ شہد کی مکّھیوں کے بارے میں دل چسپ بات یہ ہے کہ شہد کی مکّھیاں سُرخ پھولوں کے لیے کلر بلائنڈ ہوتی ہیں۔ انھیں رنگ نظر نہیں آتا۔ لہٰذا عام طور پر وہ کبھی سرخ پھولوں کے رَس چُوستی ہوئی نہیں دیکھی جاتیں۔

پیارا پاکستان

مرسلہ: طاہر داؤد خاں، لاہور

اے پیارے وطن تو زندہ رہے
پائندہ رہے، رخشندہ رہے

آباد رہیں یہ کوہ و دمن
شاداب رہیں سب تیرے چمن
لہراتا رہے یہ سبز عَلَم

اے پیارے وطن تُو زندہ رہے
پائندہ رہے رخشندہ رہے

گر ڈال دے کوئی ٹیڑھی نظر
وہ دیکھ لے خود کو زیر و زبر
ہم لوگ ہیں اتنے شیر و شکر

اے پیارے وطن تُو زندہ رہے
پائندہ رہے رخشندہ رہے

کتابیں ہماری بہترین دوست ہیں

ریاض الاحسان، کراچی

کسی دانش وَر کا قول ہے کہ اگر میرا سب کچھ کھو جائے، لیکن ایک اچھی کتاب میرے پاس رہ جائے تو میں سمجھوں گا کہ میرا ابھی کچھ نہیں کھویا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک اچھی کتاب مفید، پاکیزہ اور ایک عمدہ دوست ثابت ہوتی ہے، لیکن ہر کتاب میں یہ صفت نہیں ہوتی۔ بعض کتابیں صرف دیکھنے کے لیے ہوتی ہیں۔ اِدھر اُدھر سے چند چیزیں پڑھنے سے جی بھر جاتا ہے۔ اچھی کتاب وہ ہے جو دل چسپ ہو اور دل کو منوّر بھی کرے۔ انسان کے اچھے دوستوں اور رفیقوں میں سے کتاب بھی ہے۔ سچا دوست وہ ہوتا ہے جو بُرے وقت میں ساتھ دے۔ کتاب اِسی قسم کی دوست ہے۔ کتاب ہر وقت اور ہر موضوع پر کام دیتی ہے۔ بُرے انسانوں کو اچھا بناتی ہے۔ کتابیں پڑھ کر ہم دوسروں کے تجربات، مشاہدات، احساسات اور خیالات سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ کتابیں ہمیں زندگی کی سیر کراتی ہیں۔ گزری ہوئی باتیں بتاتی ہیں اور آئندہ کے لیے راستہ دکھاتی ہیں۔ کتاب کے مطالعے سے انسان کو سکون ملتا ہے۔ کتابیں بہترین اور عظیم رہنما ہیں۔ ایک بہترین خزانہ ہیں۔ لوگ دولت تو چوری کر لیتے ہیں، لیکن علم ایک ایسا خزانہ ہے جسے کوئی چوری نہیں کر سکتا۔ بلکہ ایک دوسرے کی معلومات سے اپنے علم میں زیادہ اضافہ کر سکتا ہے۔ اسی لیے ہمیشہ

ایسی کتاب پڑھنا چاہیے جس سے علم میں اضافہ ہو۔

بھوت کا سر

عابد ندیم، پاک پتن شریف

گرمیوں کا موسم تھا اور رمضان کا مہینہ۔ ہم اپنے گھر کی چھت پر سوتے تھے۔ رات تین بجے کا وقت تھا۔ میں اپنے بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا۔ مچھر کہاں سونے دیتے تھے۔ نعرے لگاتے ہوئے آتے اور ٹوٹ پڑتے کہ ہم نے تو "نمرود" کا غرور خاک میں ملا دیا تم کیا ہو۔ ہمیں جو غصہ آیا تو ہم نے بھی کمر باندھ لی اور مچھروں کی پٹائی شروع کر دی۔ مچھر تو کوئی ہاتھ نہ آیا البتہ ہمارے ہاتھوں سے تالی بج گئی۔ اُدھر آپا جان نے مچھر دانی سے سَر نکال کر پوچھا، "مُنّے! یہ تالیاں کس خوشی میں بجا رہے ہو؟" ابّو کی آواز سنتے ہی ہم نے دم سادھ لی اور درود شریف کا ورد کرنے لگے۔

سحری کا وقت ہو گیا تھا۔ تمام گھر والے اُٹھ کر نیچے سحری کے لیے چلے گئے۔ میں بھی اُٹھا اور نیچے آنے لگا۔ ابھی آدھی سیڑھیاں ہی طے کی تھیں کہ اچانک مجھے ساتھ والے گھر کی منڈیر پر کسی آدمی کا سَر نظر آیا۔ اس کے سَر کی ایک طرف کان کے بجائے سینگ لگا ہوا تھا۔ میں سیڑھیوں میں ٹھٹھک کر رُک گیا۔ خوف کے مارے ایک قدم بھی نہ چلا گیا۔ میں نے آیۃ الکرسی پڑھنا شروع کی، مگر خوف کے مارے آیۃ الکرسی بھی بھول گیا اور میں چلّانے لگا، "ابّو! بھو ..... بھو .... ت .... بھوت!"

تمام گھر والے میری آواز سُن کر چھت پر آ گئے اور پوچھنے لگے:

"کہاں ہے بھوت؟ کہیں کوئی ڈراؤنا خواب تو نہیں دیکھ لیا؟"

ہم پر ابھی تک خوف طاری تھا۔ ہم سایوں کے گھر کی طرف اشارہ کر کے کہا، "وہ دیکھو، منڈیر پر بیٹھا ہوا ہے۔ اُس کا ایک سینگ بھی ہے۔"

ابّو منڈیر تک ہمارے ساتھ آئے۔ تب کہیں جا کر ہمارا خوف دُور ہوا اور دیوار پر ذرا غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو لوٹا ہے۔ جس کو ہم بھوت کا سَر اور اس کی ٹونٹی کو بھوت کا سینگ سمجھ رہے تھے اور ہمسایوں نے کسی ضرورت کے تحت اُس میں پانی بھر کر دیوار پر رکھ دیا تھا۔ تمام گھر والوں کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ ابّو نے میرا کان پکڑا اور کہنے لگے، "اور پڑھو، جنوں بھوتوں والی کہانیاں۔ تمھیں تو ہر جگہ بھوت ہی نظر آتے ہیں۔" ہم بڑے شرمندہ ہوئے۔ اس دن کے بعد سے ہم نے تاریخی اور بہادروں کی کتابیں پڑھنا شروع کر دیں۔ اب میں کبھی نہیں ڈرتا۔

شوق

آسیہ شہزادی، کراچی

آپ نے اکثر لوگوں کو یہ کہتے سُنا ہو گا کہ فلاں شخص پر فلاں کام یا فلاں کھیل کا شوق سوار ہو گیا ہے۔ بہ ظاہر یہ جملہ ٹھیک ٹھاک ہے، مگر اس میں ایک قابلِ غور لفظ موجود ہے اور وہ لفظ ہے شوق۔ یہ شوق ہی

تو ہوتا ہے جو بڑے بڑے سورماؤں کی عقل میں خلل ڈالتا ہے اور وہ کیا کیا کارنامے انجام دیتے ہیں۔ ان کے کارنامے تو خیر ایک الگ مسئلہ ہیں، فی الحال بات شوق کی ہو رہی تھی۔ تو میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ بعض شوق انتہائی اوٹ پٹانگ ہوتے ہیں۔ آپ کہیں گے کہ شوق کے لیے لفظ اوٹ پٹانگ کا استعمال غلط ہے۔ بھلا شوق کے ساتھ لفظ اوٹ پٹانگ کا کیا تعلق؟ اب دیکھیے نا، اگر شوق اوٹ پٹانگ نہ ہوتے تو انسانوں کے سروں پر سوار بھی نہ ہوتے اور جب سروں پر سوار نہ ہوتے تو آج ہمارے اِردگرد جتنی بھی ضرورت کی اشیا ہیں، وہ کہاں سے آتیں؟ بلب کا اس دنیا میں کیا کام تھا۔ ٹی۔ وی، ریڈیو ٹیلے فون وغیرہ کیوں کر وجود میں آتے۔ بہرحال مختلف لوگوں کو مختلف قسم کے شوق ہوتے ہیں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کسی کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی کرنے کی۔ ہم اپنے معاملات سے نپٹ لیں یہی کافی ہے۔

ہاں تو ہمارے سر پر بھی ایک شوق سوار تھا۔ اب بھی شاید ہو، ویسے یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اور وہ شوق تھا کتابیں پڑھنے کا جن میں کہانی کی کتابیں کثرت سے ہوتی تھیں۔ کہانیاں بھی ایسی ویسی نہیں، ڈراؤنی اور خوف ناک قسم کی۔ یہ کہانیاں ہم اکثر رات کو سونے سے پہلے پڑھتے تھے۔ اب جناب، ہم کہانیاں بھی پڑھتے جاتے تھے اور ساتھ ساتھ ڈرتے بھی جاتے تھے۔ یوں سمجھ لیں کہ ہمارا پڑھنا بھی ضروری تھا اور ڈرنا بھی۔ اب آپ ڈرنے کو بھی ہمارے شوق میں شامل نہ کر لیجیے گا۔

اپنے اس شوق کو پورا کرنے کے لیے ہمیں کافی مشکلات سے گزرنا پڑتا تھا۔ مثلاً اتنی کتابیں کہاں سے لائی جائیں جو ہمارے شوق کو بھی پورا کریں اور والدین کو بھی ناگوار نہ گزریں۔ اس مشکل کا حل ہماری ایک نہایت چاہنے والی دوست نے کر دیا۔ وہ اس طرح کہ رسالے وہ لاتیں اور پڑھنے میں ہم بھی اُن کا بوجھ ہلکا کر دیتے، لیکن ایک مشکل اس سلسلے میں بھی پیش آئی۔ مشکل یہ تھی کہ موصوفہ لنچ اسکول میں کرتی تھیں۔ ظاہر ہے دوستی کے ناطے ہمیں بھی لنچ میں شرکت کی دعوت دیتیں۔ ہم لاکھ انکار کرتے کہ بھئی ہمیں بھوک نہیں ہے۔ (جب کہ انکار کی اصل وجہ یہ نہ تھی۔ بات دراصل یہ تھی کہ ہمیں گھر میں ڈانٹ پڑتی تھی) ہمارے انکار پر وہ ہمیں ناراض ہو جانے کی دھمکی دیتیں، ہم ان کی ناراضگی کا مطلب اچھی طرح سمجھتے تھے۔ چناں چہ مجبوراً کھانا کھانے بیٹھ جاتے۔ اِدھر ہم کھانا کھاتے، اُدھر ہماری تایازاد، چچازاد بہنیں گھر جا کر ہمارے چچا سے شکایت کر دیتیں۔ چوں کہ ہمارے چچا فی الحال فارغ تھے اس لیے ایسے کام انتہائی خوش اسلوبی سے انجام دیتے تھے۔ چناں چہ وہ ہمیں جھٹ پٹ مرغا بننے کا حکم دیتے۔ ہم مرغا بنے ہوتے اور ہماری چغل خور بہنیں ہمارا تماشا دیکھتیں۔

اب آپ ہی بتائیے کہ کوئی اپنی اس قدر توہین برداشت کر سکتا ہے؟ یقیناً نہیں، لیکن ہم برداشت کرتے تھے، کیوں کہ ہمیں پتا تھا اور پتا ہے کہ شوق کی تکمیل کے لیے ہر قسم کی سختیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ یہ ظالم سماج

تو ہر ایک کی راہ میں روڑے اٹکاتا ہی ہے۔ کام یاب وہی ہوتا ہے جو روڑوں کو ٹھوکروں سے اُڑا دے۔ یہ دنیا نہ تو کھاتے کو دیکھ سکتی ہے نہ بھوکے کو دے سکتی ہے۔ خیر ہمیں کیا۔ ہمیں تو اپنے شوق سے شوق رکھنا چاہیے۔ میرا آپ کو بھی یہی مشورہ ہے کہ اگر آپ کو بھی کوئی ایسا ویسا شوق ہے تو کسی کی بات پر دھیان نہ دیجیے۔ عافیت اسی میں ہے۔

ٹیلے فون

مرسلہ: عدیل حیدر، نواب شاہ

کہنے کو تو چھوٹا سا ہے
لیکن کام بہت آتا ہے
بات جہاں تم کرنی چاہو
انگلی رکھو صرف ملاؤ
برلن ہو یا واشنگٹن ہو
کلکتہ ہو یا جاپان
نیوزی لینڈ ہو یا ایران
چاہے کتنی دُور جگہ ہو
بات وہاں منٹوں میں کر لو
ٹیلے فون بھی کیا نعمت ہے
یہ بھی علم کی اِک برکت ہے

شہری دفاع

عدنان جہانگیر شیخ، لاڑکانہ

دنیا میں وہی قوم امن و سکون سے رہ سکتی ہے جس میں فوج کے ساتھ ساتھ شہری بھی فوجی تربیت یافتہ ہوں۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے شہری دفاع کی تنظیم وجود میں آئی۔ سول ڈیفنس ایک ایسی تنظیم ہے جو عوام کی خاطر بنائی جاتی ہے۔ دنیا میں ہر چیز کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے اور ہنگامی حالات کا ہر وقت مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً سیلاب، زلزلہ، طوفان اور جنگ وغیرہ۔ ان چیزوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مختلف رضا کار دستے ہوتے ہیں جو ہنگامی حالات میں عوام کی مدد کرتے ہیں۔ سول ڈیفنس بھی ایک رضا کار تنظیم ہے۔ اس کے مختلف حصّے ہوتے ہیں۔

۱ ۔ آگ بُجھانے والی سروس

اس پارٹی میں ۵۰۰ کی آبادی پر پانچ آدمی ہوتے ہیں۔ اگر کہیں آگ لگ جائے تو یہ پارٹی آگ بُجھاتی ہے۔

۲ ۔ کنٹرول کمیونیکیشن سروس

عام طور پر جنگ میں دشمن سب سے پہلے ذرائع رسل و رسائل کو تباہ کرتا ہے۔ اس پارٹی کا کام ان ذرائع کو بحال رکھنا ہے۔

۳ ۔ فرسٹ ایڈ سروس

اس پارٹی کا کام لڑائی یا کسی حادثے میں زخمی ہونے والوں کو ابتدائی طبی امداد پہنچانا ہے۔ مثلاً خون بند کرنا، سانس جاری رکھنا، گرمی پہنچانا، اگر ہڈی ٹوٹی ہوئی ہو تو پٹی باندھنا، زہر کی ہر صورت میں اثر زائل کرنا، مریض کو کو معقول مقام پر لے جانا،

۴ ۔ مشترکہ سروس

ایک لاکھ کی آبادی پر ایک مشترکہ ڈپو ہوتا ہے جس میں رکوڑ پارٹی، آگ بجھانے والی پارٹی، بم ڈھونڈنے والی پارٹی اور بم ضائع کرنے والی پارٹیاں ہوتی ہیں۔

۵ ۔ رسکیو سروس

یہ پارٹی زخمیوں کو نکالنے کی کوشش کرتی ہے۔ وہ لوگ جو زلزلہ یا بمباری کی وجہ سے ملبہ کے نیچے دب جاتے ہیں۔ ان کو یہ پارٹی ملبے سے نکالتی ہے۔

اگرچہ ہر شہری کو سول ڈیفنس کی تربیت دینا کافی مشکل ہے۔ تاہم معاشرے کے کچھ افراد کو اس کی تربیت دی جاتی ہے تاکہ وہ جنگ یا کسی ناگہانی آفت میں عوام کی خدمت کر سکیں اور یہ افراد کالج کے طلبہ اور صنعتی اداروں میں کام کرنے والے افراد ہیں۔

ہر سال گرمیوں کی چھٹیوں میں جب کہ دوسرے لوگ اپنے گھروں میں آرام کرتے ہیں یہ طلبہ اپنا وقت اسی تربیت میں صرف کرتے ہیں۔

لفظ شہری دفاع سے آپ یہ اندازہ لگائیں گے کہ یہ کوئی معمولی سی ٹریننگ ہو گی، لیکن اگر آپ کسی ایسے شخص سے پوچھیں جس نے یہ تربیت حاصل کی ہے تو آپ کو بہ خوبی اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کوئی معمولی تربیت نہیں ہے بلکہ مکمل فوجی تربیت ہے۔ جیسا کہ سول ڈیفنس کے نگراں نے زیرِ تربیت طلبہ سے فرمایا تھا کہ:

"جو تربیت ایک سپاہی کو ایک سال میں دی جاتی ہے وہ شہری دفاع کی تربیت حاصل کرنے والے افراد کو تین ماہ میں مکمل کرا دی جاتی ہے۔

۶ ۔ فیلڈ انجینئرنگ

یہ تربیت فوج کو اس لیے دی جاتی ہے تاکہ وقت آنے پر اپنے علاقوں میں ضروری بندوبست کر سکیں۔ اس کے ضروری کام یہ ہیں:۔

(۱) لوہے کے بڑے پُل بنانا۔ (۲) پکّی سڑکیں، ریلوے لائن، مورچے اور زمین دوز مکان وغیرہ تعمیر کرنا۔ (۳) مورچے اور خندق بنانا۔ (۴) دشمن کے ٹینکوں کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرنا۔

۷ ۔ فیلڈ کرافٹ

اس میں یہ بات سکھاتی جاتی ہے کہ کس جگہ سے دشمن پر آسانی سے فائر کیا جا سکتا ہے۔ دشمن کی نظروں سے بچنے کا کیا طریقہ ہے۔ دشمن کی نظروں سے بچنے کے لیے کیموفلاج کیا جاتا ہے۔ اس کا اصول یہ ہے کہ چمک پیدا نہ کرنا، سب سے پہلے اپنے آپ کو زمین کے مطابق بنانا، تاکہ دشمن کی نظروں سے اوجھل رہیں۔ اگر ہتھیار چمک دار ہے تو اس پر مٹی لگا دینا۔

اس کے علاوہ جنگی چالیں بھی سکھائی جاتی ہیں۔ بلّی کے بچّے کی چال، چیتے کی چال، بندر کی چال، بھوت کی چال، رولنگ چال۔

۸ ۔ اینٹی پیرا

ہوائی جہازوں میں سوار، پیدل فوجوں کے حملے کرنے کے طریقے، اس مقصد کے لیے جو فوج اُتاری جاتی ہے اُس کے ذمہ یہ کام ہیں:۔

(۱) دشمن کی لائن آف کمیونیکیشن کے ذریعہ سے ہیڈ کوارٹر کو قابو کرنا۔ (۲) کسی خاص اور اہم جگہ پر قبضہ کرنا جس سے دشمن کو بھاری نقصان پہنچے۔ (۳) فوج کے پاس سامان بہت ہلکا ہوتا ہے۔ مثلاً چھوٹے ہتھیار، سوکھا کھانا اور کارتوس وغیرہ، دشمن کی فوج کے خلاف جوابی کارروائی۔ اس کو سب سے زیادہ خطرہ مشین گن اور طیارہ شکن توپ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ان پر ہلکی مشین گن اور دوسرے ہتھیاروں سے فوری حملہ کر دینا چاہیے، محفوظ فوج کو اپنی حرکت تیز کرنی چاہیے۔

۹ - اینٹی ایئر کرافٹ

جب دشمن ہوائی جہاز سے حملہ کرے تو اسے مار بھگانے کے لیے لائٹ مشین گن اور رائفل استعمال کرنی چاہیے۔ یہ ایک طرح کی توپ ہوتی ہے جس کی دو نالیاں ہوتی ہیں۔

۱۰ - گوریلا

یہ عام طور پر بیس افراد کی ٹولی پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایک گروپ لیڈر ہوتا ہے۔ جس کا کمانڈر ایک اعلا افسر ہوتا ہے۔ تھوڑے وقت میں گوریلا پارٹی کسی جگہ وہ کارروائی کرتی ہے جس سے دشمن کو بہت زیادہ پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۱۱ - نقشے پڑھنا

دشمن کے خلاف فوجی کارروائی کرنے کے لیے نقشوں اور نشانوں سے بہت مدد ملتی ہے جس سے دشمن پر حملہ کرنے اور ڈھونڈنے میں آسانی ہوتی ہے۔ نقشہ پڑھنے کی تربیت بھی شہری دفاع کی تربیت میں شامل ہے۔

۱۲ - بغیر ہتھیار کے لڑنا

جب کسی سپاہی کے پاس ہتھیار نہ رہے تو یہ طریقہ استعمال کیا جاتا ہے۔ انسان کے جسم کے دو حصے ہوتے ہیں۔ (۱) نازک اور (۲) سخت۔ اگر دشمن کے نازک حصے میں سخت حصے سے ضرب لگائی جائے تو دشمن مر جاتا ہے یا حواس باختہ ہو جاتا ہے۔ حملہ کرنے والے میں ان اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔ پھرتی، تیزی، جوش اور بے رحمی۔

ہمتِ مرداں مددِ خدا

عطیہ عروج، کراچی

یوں تو سب ہی کچھ نہ کچھ بنتے رہتے ہیں، لیکن ہم نے ٹرانسپورٹ کے مسئلے کے پیشِ نظر ایک جال بُنا۔ یہ جال کوئی معمولی سا مچھلی پکڑنے والا جال نہیں تھا بلکہ یہ ایک ایسا جال تھا جو ہماری زمین پر موجود دوڑنے والے راکٹوں کو پکڑنے میں مدد دیتا ہے جن کو پکڑنا ہر ایک کے بس میں نہیں تھا جب بھی کسی تقریب یا کسی سے ملنے جانا ہوتا تو پہلے یہ مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے کہ گاڑی کو پکڑ کر کون لائے گا۔ گویا یہ گاڑی نہ ہوئی جوئے شیر ہو گیا۔ بہرحال ہم نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ ہم کوئی نہ کوئی ایسی سستی آسان ترکیب ڈھونڈ نکالیں گے جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ تو ہم نے ایک جال بنایا۔ سب سے

پہلے ہم نے یہ احتیاط برتی کہ کسی کو پتا نہ چلے ورنہ مزہ نہیں آئے گا بلکہ ہم سب کو سرپرائز دینا چاہتے تھے۔ یہ سوچتے ہی ہماری کھوپڑی گھوم گئی کہ یہ جال کیسے بُنا جائے گا۔ جب کہ ہم نے تو کبھی ایک موزہ نہیں بُنا، لیکن ہم بھی ہمت ہارنے والے نہیں تھے۔ فوراً اپنی بڑی باجی کی سوئٹر بُننے والی سلائیاں اُٹھا لائے اور بازار سے نائیلون کی ڈوری خرید کر اور کمرے میں بند ہو کر معرکہ سَر کرنے لگے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ ہمتِ مرداں مددِ خدا! اور اسی ہمتِ مرداں نے ہمیں کام یابی دلائی اور ہم نے ایک ہفتے میں ایک (اپنے خیال میں) نہایت مضبوط جال تیار کر لیا، وہ تو قسمت اچھی تھی کہ باجی کے امتحان وغیرہ ہو رہے تھے ورنہ وہ ضرور کھوج لگا تیں۔ بہرحال ہم اُس دن کا انتظار کر رہے تھے جب ہم سے کوئی ٹیکسی یا رکشا لانے کو کہتا۔ پھر ایک دن ہمارے امتحان کا وقت آ پہنچا۔ امی اور باجی کو ماموں کے گھر میلاد میں جانا تھا۔ ہم سے گاڑی لانے کو کہا۔ ہم تو اس بات کے منتظر تھے ہی فوراً قُل ھُو اللہ پڑھ کر دم لیا جال سمیٹا اور چپکے سے باہر نکل گئے تاکہ گاڑی لے آئیں۔ ابھی ہمیں کھڑے ہوئے صرف دو گھنٹے ہی ہوتے تھے کہ ایک ٹیکسی قریب سے گزری۔ ہم نے اللہ کا نام لے کر اپنا جال پوری قوت سے پھینکا کہ وہ ٹیکسی پر پڑے، لیکن وہ ٹیکسی پر تو نہیں پڑا البتہ ایک قریب کے اسکوٹر والے پر پڑ گیا اور وہ ہمیں اپنے ساتھ دُور تک گھسیٹتا ہوا لے گیا۔ ایک تو جال ٹوٹنے کا غم دوسرے سڑک پر گرنے سے لگنے والی چوٹ اور گھر دیر سے پہنچنے پر مار اور شرمندگی الگ۔ ان سب باتوں نے مل کر ہماری جو حالت بنا دی تھی وہ مت پوچھیے۔ ہاں البتہ ہم نے یہ کیا کہ اپنے سے بڑا کام کرنے سے توبہ کر لی۔

ظالم ہاتھی اور گیدڑ

نعیم احمد

کسی جنگل میں ایک ہاتھی رہتا تھا جو بہت ظالم تھا اور خاص طور پر گیدڑوں کو بہت تنگ کرتا تھا۔ آخر گیدڑوں نے آپس میں مل کر صلاح مشورہ کیا کہ کسی طرح اس ظالم ہاتھی کو ہلاک کر کے مزے سے اس کا گوشت کھا لیا جائے۔ ان میں سے ایک گیدڑ بہت چالاک تھا اس کا نام کلّو تھا۔ کلّو نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"اس ہاتھی کو چالاکی کی زنجیر سے باندھ کر حکمت کے تیروں سے ہلاک کر دوں گا۔" یہ کہہ کر کلّو گیدڑ روانہ ہو گیا اور ہاتھی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلام کیا اور ادب سے کھڑا ہو گیا۔ ہاتھی نے پوچھا، "تُو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟"

گیدڑ نے جواب دیا، "جناب، مجھے گیدڑوں اور دوسرے جانوروں کے سرداروں نے آپ کی خدمت میں ایک پیغام دے کر بھیجا ہے۔ وہ تمام جانور چاہتے ہیں کہ آپ کو سردار بنائیں۔" پھر گیدڑ نے کہا، "آپ میرے ساتھ چلیے۔" ہاتھی بہت خوش ہوا اور اس کے ساتھ ہو لیا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ وہ جال میں پھنسنے والا ہے۔ وہ تو خوشی

خوشی گیدڑ کے ساتھ چل رہا تھا۔ گیدڑ کلّو دل ہی دل میں بہت خوش تھا۔ وہ جان بوجھ کر ہاتھی کو ایک ندی کے راستے سے لے جا رہا تھا۔ جب ندی آئی تو گیدڑ ہلکا ہونے کی وجہ سے ندی پار کر گیا، لیکن ہاتھی بے چارہ کیا کرتا۔ وہ ندی کے کنارے کھڑا ہو گیا اور گیدڑ سے کہنے لگا، "ابے گیدڑ! اب میں کیا کروں؟" گیدڑ نے کہا، اگر آپ میری دُم پکڑ لیں تو ندی پار کر سکتے ہیں۔ ہاتھی نے غصّے سے کہا، "ایسے کیسے پار کر سکتا ہوں؟" ہاتھی کو سردار بننے کی بہت خوشی تھی اس لیے وہ کسی طرح بھی ندی پار کرنا چاہتا تھا لہٰذا اس نے کلّو گیدڑ سے کہا کہ چلو ٹھیک ہے میں خود کوشش کرتا ہوں۔ ابھی ہاتھی ندی میں تھوڑا آگے بڑھا تھا کہ وہ ندی کی دلدل میں پھنس گیا۔ ہاتھی نے گیدڑ کو پکارا کہ میری مدد کرو۔ تو گیدڑ نے کہا میں اپنی برادری کو لے آتا ہوں وہ آپ کو اس ندی سے نکال لے گی۔ ہاتھی بولا ٹھیک ہے، جلدی جاؤ۔ گیدڑ کو اب بہت خوشی تھی کہ اُس نے ہاتھی کو جال میں پھانس لیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد گیدڑ اپنے ساتھیوں کے ساتھ آ گیا۔ تمام گیدڑ ہاتھی کو پھنسا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اسے کاٹ کاٹ کر کھانے لگے۔

تتلی

مرسلہ: سید محمد علی نقوی، کراچی

پھولوں کی شہزادی تتلی
باغوں کی آبادی تتلی
رنگ برنگے پَر پھیلائے
کلی کلی وہ اُڑتی جائے
بچّوں کے وہ ہاتھ نہ آئے
ہاتھ آئے تو رنگ جمائے
پھولوں کا منھ چوم رہی ہے
خوش بُو سے وہ جھوم رہی ہے

انور کی سزا

متینہ فاروقی، لاہور

ایک دفعہ کا ذکر ہے ایران کے بادشاہ نے ایک ٹھیکے دار انور کو ایک شان دار محل تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ انور نے محل کی تعمیر کے لیے بہت بڑی تعداد میں معماروں، پتھر کاٹنے والوں اور غلاموں کو کام پر لگا دیا، لیکن چار سال گزر جانے پر بھی انور محل کی تعمیر مکمل نہ کر سکا، کیوں کہ وہ خود کام چور تھا اور اس کے ماتحت باتوں میں وقت گزار دیتے تھے۔ ایک دن بادشاہ دریا کے کنارے تعمیر ہونے والے محل کا معائنہ کرنے گیا تو اُس نے دیکھا کہ انور سنگِ مرمر کی سل پر بیٹھا ہے اور معماروں اور مزدوروں کو دل چسپ کہانیاں سُنا رہا ہے۔ انور کو اس طرح اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع کرتے ہوئے دیکھ کر بادشاہ نے اُسے سزا دینے کا فیصلہ کر لیا۔

بادشاہ جب قریب پہنچا تو انور اور اس کے ساتھی فوراً ادب سے کھڑے ہو کر آداب بجا لائے۔ بادشاہ نے انور سے کہا کہ محل دکھائے۔ انور بادشاہ کے

قدموں پر گر پڑا اور بادشاہ اور اُس جگہ کی تعریف کرنے لگا جس کا اُس نے محل کے لیے انتخاب کیا تھا۔ بادشاہ سمجھ گیا کہ انور نے ابھی محل تعمیر نہیں کیا ہے۔ اور وہ محض خوشامد سے تسلی دینا چاہتا ہے۔ اُس نے انور کو حکم دیا کہ اُسے تعمیر شدہ کمرے اور ہال دکھائے۔ انور بادشاہ کو نامکمل کمروں اور دربار دکھانے لے گیا۔ کمروں کی چھتیں تک نہیں پڑی تھیں اور محل کا ہر حصّہ نامکمل تھا۔ بادشاہ نے یوں ظاہر کیا جیسے اُسے انور کا کام بہت پسند آیا ہے۔ اُس نے جھوٹے طور پر انور کے کام کی تعریف کی۔ جب انور بادشاہ کو ایک ڈھلوان چبوترے کی طرف لے گیا تو بادشاہ نے اُسے اپنے آگے آگے چلنے کے لیے کہا۔ وہ تھوڑی دُور ہی گئے تھے کہ انور رُک گیا۔ اُس نے کہا کہ وہ آگے نہیں چل سکتا، کیوں کہ اس سے آگے گڑھا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ کچھ بھی ہو اسے آگے چلنا پڑے گا۔ ناچار انور آگے بڑھا اور گڑھے میں گر پڑا۔ اس گڑھے میں بہت گہرا پانی تھا۔ کچھ دیر بعد بادشاہ نے انور کو پانی سے نکلوایا اور کہا کہ اب وہ ہر روز اِسی طرح غسل کیا کرے گا۔ یہ انور کی پہلی سزا تھی۔ اُس کے بعد بادشاہ نے انور کو حکم دیا کہ وہ اُسے ہال میں لے جائے۔ دونوں جب وہاں پہنچے تو بادشاہ نے دیکھا کہ سنگِ مرمر کی وہ کرسی وہاں نہیں ہے جس کو اُس نے بنانے کا حکم دیا تھا۔ اُس نے انور سے کہا، "اُس کرسی پر بیٹھ جاؤ۔" انور نے کہا، "حضور، وہاں تو کوئی کرسی نہیں ہے۔"

بادشاہ بولا، "تم کو بیٹھنا پڑے گا، چاہے کرسی ہو یا نہ ہو۔" آخرکار وہ بادشاہ کے حکم کو مانتے ہوئے کرسی کی جگہ اس طرح بیٹھ گیا، جیسے وہ کرسی پر بیٹھا ہو۔ بادشاہ نے اُسے دو پہر تک وہیں بیٹھے رہنے کو کہا۔ اُس نے پہرے داروں کو حکم دیا کہ اگر انور وہاں سے اُٹھنے کی کوشش کرے تو اُسے تیروں کا نشانہ بنا دیں۔ انور اسی طرح گھنٹوں کھڑا رہا۔ اُس کی ٹانگیں شل ہو گئیں۔ اُس کے معمار، مزدور اور دوسرے لوگ اُس کے چاروں طرف جمع ہو گئے اور اُس کا مذاق اُڑانے لگے۔ یہ انور کی دوسری سزا تھی۔

دوسری سزا کے ختم ہونے پر بادشاہ نے اُسے محل کے باغات دکھانے کا حکم دیا۔ ان نامکمل باغات میں نہ تو فوارے تھے اور نہ پھول۔ وہاں صرف نوکیلے جنگلی پودے اُگے ہوئے تھے۔ بادشاہ نے ہنستے ہوئے کہا کہ اُسے خوش نما باغات کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اُس نے انور سے طنز سے پوچھا کیا اُسے بھی فواروں کے پانی کی ٹھنڈک محسوس ہو رہی ہے۔ پھر اُس نے انور کو حکم دیا کہ وہ کچھ پھول توڑ کر سونگھے اور بتائے کہ ان کی خوش بُو کیسی ہے۔ انور نوکیلے جنگلی پھول توڑ کر اپنی ناک کے قریب لایا۔ انھیں سونگھتے ہوئے اس کی ناک زخمی ہو گئی۔ بادشاہ نے اس کو اپنی ناک سہلانے کی بھی اجازت نہ دی۔ واپس آتے ہوئے اُس نے جب راستے میں لوگوں سے اپنی ناک کھجانے کے لیے کہا تو لوگوں نے مذاق میں اُس کے جسم کے دوسرے حصّوں کو رگڑنا شروع

کر دیا۔ انور سمجھ گیا کہ یہ بھی بادشاہ کی طرف سے ایک سزا ہے۔

بادشاہ نے انور کو تین دن اور تین راتیں پانی پینے نہیں دیا اور حکم دیا کہ دونوں ہاتھ پھیلائے اور اس پر ایک ایک انار رکھ کر کھڑا رہے۔ درباری انور کی یہ حالت دیکھ کر ہنستے رہے، کیوں کہ وہ اس عالم میں بہت ہی بے وقوف لگ رہا تھا۔ انور کی سزا نے ایران کے لوگوں کو اچھا سبق سکھایا۔ وہ بادشاہ سے بہت ڈرنے لگے۔ انھیں احساس ہو گیا کہ انھوں نے اگر کام سے جی چرایا تو اُن کا بھی انور کی طرح حشر ہوگا۔

انور کی کہانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جو لوگ باتیں زیادہ اور کام کم کرتے ہیں وہ مشکل میں گرفتار ہوتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ ہم دیانت داری سے اپنے فرائض پورے کرتے رہیں۔ ہم اگر ایسا کریں گے تو یقیناً کام یابی ہمارے قدم چومے گی۔

(جارج میرڈتھ کی انگریزی کہانی کا ترجمہ)

لائپزگ چڑیا گھر

الطاف حسین، کراچی

لائپزگ چڑیا گھر مغربی جرمنی میں واقع ہے۔ جو لوگ مغربی جرمنی جاتے ہیں، وہ یقیناً اس چڑیا گھر کی سیر بھی کرتے ہیں۔ جس طرح لندن میں مادام تُساد

کا عجائب گھر مشہور ہے اسی طرح جرمنی میں لائپزگ چڑیا گھر مشہور ہے۔ لائپزگ چڑیا گھر ۱۸۷۸ء میں جرمنی میں کھولا گیا اور ۱۹۷۸ء میں اس کو قائم ہوئے پورے سو سال مکمل ہو گئے۔ اس چڑیا گھر کا رقبہ ۱۶ عشاریہ ۳ ہیکٹر ہے جس میں کئی عمارتیں شامل ہیں۔ ان علاقوں میں موجود لوہے کی سلاخوں کے پنجرے میں ہر نسل کے جانور رکھے گئے ہیں۔ ۱۹۴۸ء تک یہاں صرف چھ سو دس جانور تھے، لیکن ۱۹۷۸ء میں یہاں مچھلیوں کو چھوڑ کر ۵۱۷ نسلوں کے جانور موجود ہیں۔ جن میں شیروں کی تعداد ہی دو ہزار ہے اور رینگنے والے جانوروں اور مچھلیوں کی تعداد ۱۸۲ ہے اور لاتعداد جانور ان کے علاوہ ہیں۔ یہ سب مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۱۹۴۳ء میں جنگ کی وجہ سے اس چڑیا گھر کو کافی نقصان پہنچا اور تقریباً ۴۲ عمارتیں تباہ اور ۶۰ جانور ہلاک ہو گئے۔ دنیا کی واحد نسل کا جانور بیسن زیبرا بھی بمباری کی وجہ سے ہلاک ہو گیا اور ۱۹۴۳ء میں ہی لائپزگ چڑیا گھر والوں نے روس، بیلجیم، ہنگری اور کینیڈا سے جانوروں کی تجارت کا آغاز کیا جس سے دوسرے ممالک کے جانور بھی اس چڑیا گھر میں آگئے اور اور لاتعداد جانوروں اور پرندوں کا اضافہ ہوا۔ یہ واحد چڑیا گھر تھا جس نے سب سے پہلے ہاتھیوں کو ان کے پنجروں سے باہر رہنے کا موقع فراہم کیا جو آہستہ آہستہ عام ہو گیا۔ اب تو ہر چڑیا گھر میں ہاتھیوں کی سواری ایک شوق بن چکا ہے۔ ۱۸۹۹ء میں یہ چڑیا گھر ایک مشترکہ

اسٹاک کمپنی کی ملکیت بنا اور ۱۹۲۰ء میں اس کا انتظام میونسپل کارپوریشن نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ لائپزگ چڑیا گھر کو ہر سال تقریباً ۱۵ لاکھ سے زائد عوام دیکھنے آتے ہیں۔ جو ایک بار دیکھتا ہے اس کا دل بار بار دیکھنے کو چاہتا ہے۔ آپ کا جب بھی جرمنی جانا ہو تو اس چڑیا گھر کو ضرور دیکھیے گا۔

چاند

مرسلہ: سید سہیل قادری، کراچی

گاؤں کی سیر کر رہا ہے چاند
وہ اُفق پر اُبھر رہا ہے چاند
چاندنی سے چمک اُٹھا جنگل
کھیت چاندی کا بن گیا جنگل
جگمگا اُٹھے بیل بوٹے شجر
پتوں سے چھن رہا ہے نورِ قمر
لمبے چوڑے گھروں کے آنگن بھی
چاندنی سے بنے ہوئے ہیں چمن
بچھ رہی ہے زمین پہ چادرِ نور
ذرہ ذرہ بنا ہوا ہے طُور
چاندنی ہر جگہ رہی ہے چھنک
دودھ کی نہر بن رہی ہے سڑک
چودھویں رات، چاندنی کی بہار
ہر طرف نُور کا کھلا گلزار

پانچ بے وقوف

سید محمد عامر کبیر جعفری، کراچی

پرانے زمانے میں ایک گاؤں میں پانچ یتیم لڑکے رہتے تھے۔ ماں باپ نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تربیت صحیح نہ ہو سکی اور انھوں نے عقل نہ سیکھی۔ ایک دن وہ نوکری کی تلاش میں نکل پڑے۔ راستے میں ایک نہر آئی جس میں کوئی پُل نہیں تھا۔ وہ اس نہر میں سے تیر کر نہر کے دوسرے کنارے پر پہنچے۔ وہاں پہنچ کر ان کو خیال آیا کہ کوئی نہر میں ڈوب نہ گیا ہو۔ ان میں سے ایک نے گننا شروع، مگر اپنے آپ کو نہیں گِنا اور باقیوں کو گن کر کہا، بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمارا ایک بھائی ڈوب گیا ہے۔ دوسرا بولا، یہ کیسے ہو سکتا ہے، میں گنتا ہوں۔ اس نے بھی اپنے آپ کو نہیں گِنا اور باقیوں کو گن لیا۔ اسی طرح سب نے ایک دوسرے کو گِنا اور آخر رونے بیٹھ گئے۔ اسی وقت وہاں سے ایک بڑے میاں گزرے جو کہ بہت امیر تھے۔ انھوں نے ان سے پوچھا، کیا ہوا؟ تو وہ بولے کہ ہم پانچ اپنے گاؤں سے شہر نوکری کرنے کے لیے جا رہے تھے۔ ایک بھائی نہر میں ڈوب گیا اور اب ہم چار رہ گئے ہیں۔ بڑے میاں نے ان سے کہا کہ تم پانچ کے پانچ ہو اور میں تمھیں اپنے ہاں نوکری

دوں گا۔ وہ پانچوں خوش ہو گئے۔

بڑے میاں نے سب کو کام پر لگا دیا۔ ایک کو تیل کی دُکان پر بٹھا دیا اور کہا کہ تم یہ تیل بیچو جتنے پیسے ملیں گے اس میں آدھے تمھیں ملیں گے۔ اسی دن ایک عورت تیل لینے آئی تو اُس نے تیل کے کنستر کا ڈھکن اٹھایا۔ تیل میں اُسے اپنا عکس نظر آیا تو اُس نے تیل میں جن سمجھ کر سارا تیل پھینک دیا اور مالک کو سارا ماجرا سُنا دیا۔

مالک نے اسے نوکری سے نکال دیا۔ دوسرا بھائی جو گھڑی کی دُکان پر بیٹھتا تھا وہ ایک دن دوپہر کو دُکان پر سو گیا۔ جب گھڑی نے ایک بجے کا گھنٹہ بجایا تو اُس نے اُٹھ کر اس گھڑی کو ڈنڈا مارا۔ گھڑی ٹوٹ گئی۔ وہ پھر سو گیا اور جب دوپہر کے دو بجے تو دوسری گھڑی نے دو گھنٹے بجائے۔ اس کی آنکھ کُھل گئی۔ اس نے دوسری گھڑی کو بھی توڑ دیا اور پھر سو گیا۔ اسی طرح شام تک ساری گھڑیاں توڑ دیں۔ جب اُس کا مالک آیا تو اس نے نوکر کو مارا اور نوکری سے نکال دیا۔

ان میں سے تیسرا بھائی جو بکریاں چَراتا تھا ایک دن ایک کنویں کے پاس سے گزر رہا تھا کہ اُس کو مینڈکوں کے بولنے کی آواز آئی تو وہ سمجھا کہ کنویں میں کوئی گانا گا رہا ہے۔ اُس نے پہلے ایک بکری کنویں میں پھینکی تو آواز اور زور سے آنے لگی وہ بہت خوش ہوا۔ اسی طرح اُس نے ساری بکریاں کنویں میں پھینک دیں اور بھاگا بھاگا مالک کے پاس آیا اور بولا کہ مالک، کنویں میں کوئی گانا گا رہا ہے۔ میں نے ساری بکریاں کنویں میں پھینک دیں، مگر وہ چپ ہی نہیں ہوتا۔ مالک نے بے وقوف کی خوب پٹائی کی اور نوکری سے نکال دیا۔

ان کا چوتھا بھائی جو بیل گاڑی میں اناج بیچتا تھا۔ ایک روز جب وہ بازار جا رہا تھا اور ایک پُل پر سے گزر رہا تھا اس نے بیل گاڑی کے پہیے کی آواز سنی تو وہ سمجھا کہ یہ بیل بیمار ہے اور اتنا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا تو اُس نے سارا کا سارا اناج دریا میں پھینک دیا اور پھر بیل گاڑی پر سوار ہو گیا، مگر آواز پھر آ رہی تھی تو اُس نے گاڑی بھی دریا میں پھینک دی اور بیل بھگا دیے اور مالک کو سارا ماجرا سُنا دیا۔ مالک نے اُسے بھی نوکری سے نکال دیا۔ آخری بے وقوف بڑے میاں کی دادی کی خدمت کے لیے رکھا گیا تھا۔ مالک نے کہا تھا کہ دادی ضعیف ہیں ان کے اوپر مکھی مت بیٹھنے دینا۔ دوپہر کو ایک مکھی دادی کے اوپر بیٹھ گئی تو اس نے اُڑا دی۔ وہ مکھی پھر سے دادی کے چہرے پر بیٹھی۔ اس مرتبہ ایک ہلکا سا تھپڑ مارا۔ مکھی مری نہیں بلکہ اُڑ گئی، مگر وہی مکھی دوبارہ بیٹھی تو وہ بھاگا بھاگا گیا اور اینٹ اُٹھا کر دادی کے منھ پر دے ماری۔ دادی تو مر گئی مگر مکھی نہ مری۔ اتنے میں بڑے میاں آگئے۔ انھوں نے دیکھا کہ دادی اماں مر گئی ہیں تو انھوں نے بے وقوف سے پوچھا کہ انھیں کس نے مارا تو اُس نے بتا دیا کہ دادی اماں کو میں نے مارا ہے اور اس طرح مارا ہے تو بڑے میاں نے اُسے بھی نوکری سے نکال دیا۔

بعد میں پانچوں اپنی بے وقوفی پر بڑے پچھتائے اور بہت روئے۔

بزمِ نونہال

* بلاشبہ نونہال بچوں کے تمام رسالوں میں سرفہرست ہے۔ جاگو جگاؤ، خیال کے پھول، معلومات عامہ انتہائی دل چسپ اور مستقل عنوانات ہیں البتہ معلومات عامہ میں ایک چیز کی کمی محسوس کر رہا ہوں کہ ان میں سے ایک بھی سوال سائنس سے متعلق نہیں ہوتا۔

عبدالحسن علی محمد سومرو، کراچی

* ٹائٹل بہت ہی خوب صورت تھا۔ رسالے میں خاص طور پر سائنسی سوال و جواب، جس کا جوتا اس کا سر، چور پر مور، اور سب سے اچھا مضمون وہ تھا ہمدرد نونہال مشاعرہ۔ جہان خاں شاکر، تلہ گنگ

* مئی کا نونہال پڑھ کر مہینے بھر کی تھکان اُتر گئی۔ ہمیشہ کی طرح جاگو جگاؤ اس مرتبہ بھی شان دار تھا۔ نونہال میں تصویریں کون صاحب بناتے ہیں۔ ان تصویروں سے تو بہتر ہے کہ مشتاق صاحب سے کارٹون بنوا لیا کریں۔

محمد اسحاق انجم، ڈگری

* اس دفعہ حکیم محمد سعید صاحب نے جاگو جگاؤ میں پاکستان کے بارے میں نہایت قیمتی مشورہ دیا ہے، لیکن اس بار پھر ہم مسعود احمد برکاتی صاحب کی "پہلی بات" سے محروم رہے۔ کیا وجہ ہے کہ اب یہ "پہلی بات" باقاعدگی سے نہیں لکھ رہے ہیں؟ مئی کے نونہال کی تمام کہانیاں بہتر تھیں۔

اطہر عظیم، کراچی

* مشاعرہ مجھے بہت پسند آیا۔ نونہال میں اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، لیکن اس بات کا بہت افسوس ہوا کہ نونہال میں میرا خط شائع نہ ہو سکا۔ مجھے خرگوش کے کارنامے کا ناول چاہیے۔ مجھے اسے ڈاک کے ذریعے منگوانا ہے۔ اس کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ شگفتہ بدر، شاہی کراچی

> سب سے پہلے تو یہ کرنا چاہیے کہ ہر خط میں اپنا پتا ضرور لکھا کریں۔ اگر پتا ہوتا تو کتاب اب تک آپ کو بھیج دی گئی ہوتی۔ اب یا تو آپ کتاب کی قیمت (۴ روپے ۵۰ پیسے) کا منی آرڈر کر دیں یا وی پی منگوانے کے لیے خط لکھ دیجیے، لیکن وی پی میں آپ کے کئی روپے زیادہ خرچ ہوں گے۔

* نونہال ترقی بہت کر رہا ہے، مگر لطیفے ہمیشہ گھسے پٹے ہوتے ہیں۔ اور مہربانی فرما کر قلمی دوستی کا سلسلہ پھر سے شروع کر دیں۔

محمد شفیق نازؔ، سرگودھا

* عارف پہ کیا گزری بہت شان دار تھی۔ بقیہ کہانیاں اچھی تھیں۔

محمد حارث ہاشم، حیدر آباد

* سب کی سب کہانیاں بہترین اور لاجواب تھیں۔ سب رسالوں میں سے میں نے صرف نونہال ہی پسند کیا ہے۔

محبوب عالم شاہین، ہارون آباد

* اگر میں نونہال کے لیے نظمیں لکھوں تو کیا آپ چھاپ دیں گے؟ نونہال مجھے بہت پسند ہے۔ رحمٰن شاعر، ٹنڈو محمد خان

> میری رائے یہ ہے کہ نظم کے بجائے نثر لکھنے کی کوشش کریں۔

* "اردو کی چند عظیم کتابیں" (احمد خان خلیل) پڑھ کر خوشی ہوئی۔ ہمدرد نونہال مشاعرہ بھی بہت اچھا تھا۔ کہانیاں، لطیفے، نظمیں اور جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ پڑھ کر بہت لطف آیا۔

نسیم اختر صدیقی، کراچی

* خاص طور پر مشاعرے والا مضمون بہت اچھا تھا۔

عذرا جہانداد، کراچی

* سب سے پہلے حکیم محمد سعید صاحب کا نصیحتوں سے بھرا جاگو جگاؤ پڑھ کر دل کو ٹھنڈک پہنچی۔ کہانیوں میں جس کا جوتا اس کا سر (جناب مناظر صدیقی) تمھاری چال ہے (جناب علی اسد) چور پر مور (جناب معراج) بے حد پسند آئیں۔ جناب قمر ہاشمی کی نظم امانت بھی خوب تھی۔ مندرجہ ذیل معلوماتی مضمونوں سے میری معلومات میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

(۱) سائنسی سوال و جواب (۲) انوکھے کھیل، دل چسپ معلومات۔ (۳) ۵ ہزار زبانیں (۴) سکندر اعظم۔ محمد احسان، کراچی

* ہمدرد نونہال مشاعرہ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ میری طرف سے ننھے شاعروں کو مبارک باد۔ مضمون سائنسی سوال و جواب نے میری سائنسی معلومات میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔

مظفر علی، کراچی

* میں نونہال کی مستقل خریدار ہوں۔ یہ رسالہ میری پسند ہے۔ ہر ماہ اس کا مطالعہ پابندی سے کرتی ہوں۔ کیا میں آپ کے رسالے میں کہانیاں چھپواسکتی ہوں؟

فوزیہ، کراچی

جی ہاں، مگر مختصر اور اچھی کہانی لکھو اور اپنی باری کا انتظار کرو۔

* ٹائٹل پسند آیا۔ بیک ٹائٹل بالکل پسند نہیں آیا اسے تبدیل کیا جائے۔ محترم جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ خیال کے پھول بہت عمدہ اور سبق آموز تھے۔ دیگر مضامین میں سے اردو کی چند عظیم کتابیں، سائنسی سوال وجواب، سبز ٹہنی، چور پر مور، عارف پہ کیا گزری وغیرہ اور نونہال ادیب میں سے نماز، رشوت، ماں کی عظمت، وغیرہ اور نظموں میں سے قمر ہاشمی صاحب کی امانت نے بڑا متاثر کیا۔ ہمدرد نونہال مشاعرہ کی دل چسپ روداد (باتصویر) بڑی دل چسپ اور مزے دار تھی۔

راؤ ذوالفقار علی منصور، مٹھن کوٹ

* جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ اور خیال کے پھول بے مثال تھے۔ لطیفے تو بس گوارا ہی تھے۔ نونہال ادیب میں بھی بہت شان دار مضمون تھے۔ غرض کہ سارا رسالہ بہت پسند آیا۔

محمد اشفاق ناصر، ہملٹ

* سارا رسالہ دل چسپ تھا۔ "جس کا جوتا اُس کا سر اور چور پر مور" اچھی کہانیاں تھیں۔ نظم تعارف اس مرتبہ پہلے نمبر پر تھی۔ عارف پہ کیا گزری کے اختتام کے بعد اب آپ کون سی قسط وار کہانی شائع کررہے ہیں؟

ندیم احمد خانزادہ، سکرنڈ

بہت عمدہ کہانی شائع کی جارہی ہے۔ بس آیا ہی چاہتی ہے۔

* جاگو جگاؤ کی جتنی تعریف کی جائے کم ہوگی۔ کہانیاں بھی اچھی تھیں۔ لطیفے اتنے پسند نہیں آئے۔ میں آپ سے گزارش کروں گا کہ نونہال میں سائنسی ایجادات کے بارے میں لکھا کریں۔ اس سے ہماری معلومات میں اضافہ بھی ہوگا۔

محمد محبوب الرحمٰن، کراچی

* ٹائٹل خاص نہ تھا، مگر کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ خاص طور سے جس کا جوتا اُس کا سر، سبز ٹہنی، چور پر مور، لطیفے بھی اچھے تھے۔

سید محمد منیر عالم، کراچی

* میں نونہال میں خیال کے پھول اور تحفے بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ اگر میں تحفے کے لیے کچھ بھیجنا چاہوں تو کیا آپ اسے شائع کر دیں گے اور اس کا کیا طریقہ ہے؟

معین الدین، کراچی

تحفے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ کو مطالعے کے دوران جو عبارت، معلومات، شعر، قول یا جملہ بہت پسند آئے تو نقل کرکے بھیج دیجیے، لیکن لکھنے والے کا اور کتاب یا رسالے کا نام بھی ضرور لکھیے۔

* تمام کہانیاں، مضامین اور نظمیں اچھی تھیں۔ ہمدرد نونہال مشاعرہ بہت اچھا تھا۔

محمد فراز منوّر، کراچی

* ٹائٹل انتہائی خوب صورت اور دل نشین تھا۔ نونہال مشاعرہ بہت ہی عمدہ لگا اور نونہال بچوں کے جذبات کی قدر کی گئی ہے۔ جاگو جگاؤ کے بعد نونہال رسالے میں سب سے عمدہ ہمدرد نونہال مشاعرہ لگا۔ اس مشاعرے کا انعقاد آپ نے بہ یک وقت کراچی اور لاہور میں رکھا۔ یہ ایک بہت اچھی کام یابی ہے، لیکن آپ ایسے پروگرام حیدرآباد (سندھ) میں کیوں نہیں کراتے۔ جب کہ حیدرآباد بھی پاکستان کا تیسرے نمبر کا شہر ہے۔

عبدالفرید چندریگر، ثمینہ قری، حیدرآباد سندھ

* میں کبھی کبھار نونہال پڑھ لیتا ہوں۔ زیادہ تر بچوں کے سوالوں پر ان کے جوابوں میں طنز ہوتا ہے۔ آپ کو تو ان کی ہمت افزائی کرنی چاہیے۔ ایسی کہانیاں شائع کیجیے تو بچوں کی سمجھ میں بہ آسانی آسکیں۔

محمد علی قریشی، کوٹری

میرا خیال تھا اور اب بھی ہے کہ میرے جوابات میں طنز کے بجائے مزاح ہوتا ہے اور اس کا مقصد کسی کو تکلیف پہنچانا نہیں ہوتا۔

* میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمدرد نونہال پاکستان کا سب سے اچھا اور علم وادب اور بچوں کے لیے سبق آموز اور ہنسی ومزاح کا اور نُھاتی رسالہ ہے۔ یہ رسالہ پورے ملک میں مقبول ہے۔

فیض محمد، کراچی

* مئی کا نونہال حسبِ معمول بہت شان دار تھا۔ آپ یہ رسالہ شائع کرکے ہم سب بچوں پر بہت بڑا احسان کرتے ہیں۔ اس بار بچوں کا مشاعرہ پیش کیا گیا جو نہایت شان دار تھا۔

مریم شفیع، کراچی

* ہمدرد نونہال پاکستان کا واحد رسالہ ہے جس میں بچوں کے لیے پسند کی ہر چیز موجود ہے۔ ہر طرف نونہال کی تعریف ہو رہی ہے۔

عبدالحفیظ سرہندی، کراچی

* اس مرتبہ بھی ہنستا مسکراتا، دلکش اور حسین ماہ نامہ ہمدرد نونہال اپنی خوب صورتیوں سمیت ملا۔ دل خوشی سے جھوم اُٹھا۔ ٹائیٹل بھی پُروقار تھا۔ تمام کاوشیں بہترین تھیں۔ نظموں کا بھی معیار بلند رہا۔

فریدہ انوار، لاہور

* ہمدرد نونہال میں اسلامی مضامین بہت کم شائع ہوتے ہیں۔ لہٰذا آپ ہر ماہ کسی پیغمبرؑ یا کسی صحابیؓ یا کسی ولیؒ کی زندگی کے واقعات اور کارنامے شائع کیا کریں یا پھر ایک قرآنی آیت اور ایک حدیث کا ترجمہ و تشریح دیا کریں۔ چھوٹے موٹے سوال و جواب کا سلسلہ شروع کریں جیسے کہ بزم نونہال میں کچھ نونہال پوچھتے رہتے ہیں۔ بلاعنوان کا سلسلہ بھی شروع کریں۔ سب سے اچھے عنوان پر ہمدرد کی ایک کتاب دی جائے۔ ہر مہینے کسی پھل، سبزی یا میوے کے فوائد بھی لکھا کریں۔ (۱) ہم جو چیزیں لکھ کر بھیجتے ہیں کیا وہ ویسی کی ویسی چھاپ دیتے ہیں یا الگ لکھ کر چھاپتے ہیں؟ اگر الگ لکھ کر چھاپتے ہیں تو پھر ہم سے ایک لائن چھوڑ کر کیوں لکھواتے ہیں۔ (۲) کیا ہم بال پین یا مارکر سے کوئی مضمون یا کہانی لکھ سکتے ہیں؟

شاہد حسین قریشی، لطیف آباد

(۱) الگ لکھ کر نہیں بلکہ اسی پر اصلاح کر کے چھاپتے ہیں۔ (۲) بال پین سے لکھ سکتے ہیں، مارکر سے نہیں۔

* اخبار نونہال اور تحفے حسبِ معمول اچھے تھے۔ انوکھے کھیل، سکندر اعظم اور اردو کی چند عظیم کتابیں بے حد پسند آئیں۔ مجھے معلومات عامہ اور معلوماتی مضامین پڑھنے کا بے حد شوق ہے اور ایسے مضامین ہی نونہال کی جان ہیں۔

محمد ساجد، ملک وال

* نونہال میں کم از کم دو صفحے لڑکیوں کے دسترخوان کے لیے ضرور ہونے چاہییں۔ کیا اس دفعہ بھی خاص نمبر شائع ہوگا؟

قدسیہ جلیس صدیقی، کراچی

"دسترخوان" کے بجائے لڑکیوں کے لیے کوئی اور اچھی چیز لکھیے۔ جی ہاں خاص نمبر ان شاء اللہ شائع ہوگا۔

* مئی کا نونہال زیادہ شوخ نہ تھا۔ کہانیاں سب پھیکی تھیں۔ صرف جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ سبق آموز تھا۔ آپ نے ہنسو بچو ہنسو جیسا منفرد نام ہٹا کر "مسکراتے رہو" جیسا مٹیالا سا نام رکھ دیا۔ آپ نے دو مسافر دو ملک بند کر کے نونہالوں کا دل توڑ دیا ہے۔

محمد اقبال سیٹھی، علی محمد ابراہیم مہراڑی، عبداللطیف، عبدالشکور، عزیزہ بیو، کراچی

دو مسافر دو ملک بند نہیں ہوا۔ دو ایک قسطیں اور لکھ کر ختم کروں گا۔

* ہمدرد نونہال پاکستان کا مایۂ بچوں کا رسالہ ہے۔ جو کہ مجھے بہت پسند ہے۔ اور خاص طور پر جناب حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ سلسلہ بہت اچھا ہے۔ عارف پہ کیا گزری اور خیال کے پھول بھی اچھے ہیں۔ مجھے مارچ۔ اپریل ۱۹۸۴ء کے ہمدرد نونہال چاہییں

مسرت مسعود بخاری، بھکر

آپ نے اپنا پتا نہیں لکھا کہ ڈاک سے جواب دے دیا جاتا ۶ روپے کے ٹکٹ بھیج دیجیے۔

* اس ماہ میں جاگو جگاؤ خوب تھا اور کہانیوں میں جس کا جوتا اسی کا سر، سبز ٹہنی اور چور پر مور خوب تھیں۔ تحفے بھی ہر ماہ کی طرح مزے دار تھے۔ ہمدرد نونہال مشاعرہ بہت خوب تھا۔

گل رعنا منگی، گل زرین منگی، آفتاب احمد منگی، سعید احمد منگی، لاڑکانہ۔

* خاص طور پر جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ ہمارے پیارے وطن پاکستان کی پیاری باتوں پر مشتمل تھا۔ قمر ہاشمی کی نظم "امانت" بھی اچھی تھی۔ جناب مناظر صدیقی کی کہانی جس کا جوتا اُسی کا سر، جناب علی اسد کی کہانی تمھاری چال ہے۔ عینیہ فرح کی کہانی سبز ٹہنی، جناب حکیم محمد سعید کا طِب کی روشنی میں، انوکھے کھیل دل چسپ معلومات، اخبار نونہال، تحفے، اور ہمدرد انسائکلو پیڈیا بھی بہت بہترین تھی۔

محمد عثمان عبدالستار، کراچی

* کہانیوں میں جس کا جوتا اُسی کا سر، سبز ٹہنی، چور پر مور، بہت پسند آئیں۔ لطیفے گھسے پٹے تھے۔

یاسر امیر، لاہور

* جاگو جگاؤ حسبِ معمول اچھا تھا پسند آیا۔ "اردو کی چند عظیم کتابیں" کے بارے میں پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ اس مرتبہ ۲۰ اضافی صفحات میں "ہمدرد نونہال مشاعرہ" پڑھ کر بے انتہا خوشی ہوئی۔ جناب قمر ہاشمی صاحب کی نظم "امانت" پسند آئی۔ نونہال ادیب میں اپنی تحریر دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، مگر نام کے آگے شہر کا نام نہیں تھا۔ جناب علی اسد کی کہانی "تمھاری چال ہے" پسند آئی۔ لطیفے سارے پسند آئے۔

محمد عامر قریشی، کراچی

آپ خود شہر کا نام لکھنا بھول گئے تھے۔

* خوشی ہوئی کہ نونہال کا سرورق خوب صورت تھا۔ جناب اگر آپ نونہال کے سرورق پر کھلاڑیوں کی تصویریں دینی شروع کر دیں تو اچھا نہ ہوگا۔ مومن خان خٹک، میانوالی

* تمام کالموں سمیت تمام مضامین دل چسپ تھے۔
عبدالعلیم قریشی، پتوکی ضلع قصور

* کہانیاں اور مضمون بہت ہی اچھے تھے۔ خاص کر جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ تو بہت ہی اچھا تھا۔ مجھے آپ سے شکایت ہے کہ آپ ہمارے خطوں کا جواب نہیں دیتے۔ اور نہ ان ناموں میں جن کے خط چھاپنے سے رہ جاتے ہیں۔ اگر آپ ان میں کوئی غلطی تلاش کر لیں تو مہربانی فرما کر اصلاح کر دیا کریں تاکہ ہمیں علم ہو کہ ہم نے کون کون سی جگہوں پر غلطی کی اور مہربانی فرما کر ہمارے خطوں کا جواب بھی دیا کریں۔
عبدالشکور، تربیلا ٹاؤن شپ

جس جملے کے نیچے لکیر لگائی گئی ہے اس کا مطلب بتا دیجیے۔ لیجیے میں نے غلطی بھی بتا دی اور خط کا جواب بھی دے دیا۔

* سرورق اپنی مثال آپ تھا۔ اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، لیکن جتنی خوشی ہوئی اتنا غم بھی ہوا وہ اس لیے کہ میری ذات کا چھیلا ہے اور آپ نے میری ذات کا چھیل شائع کر دی تھی۔ دوسرے یہ کہ مقام کا نام بھی نہیں لکھا۔ کہانیاں سب اچھی تھیں۔
پرکاش کمار کا چھیلا

پرکاش کمار کا چھیلا صاحب، نام پتا ذرا صاف لکھا کیجیے۔

* مجھے ہمدرد نونہال تمام بچوں کے جتنے رسالے ہیں سب سے زیادہ عزیز ہے۔ اس کی ہر تحریر اپنی مثال آپ ہوتی ہے۔
محمد حنیف، کراچی

* اس بار بہت ہی اچھی کہانیاں اور معلومات ملیں۔ جاگو جگاؤ پڑھ کر ایک نیا جذبہ دل میں پیدا ہوا۔ جناب قمر ہاشمی کی نظم "امانت" بہت ہی اچھی تھی۔ سائنسی سوال و جواب بہت ہی اچھے تھے۔ پانچ ہزار زبانیں کے عنوان سے بہت ہی اچھی معلومات ملیں۔ اس بار لطیفے پڑھ کر بہت ہی ہنسی آئی۔ سید علی حیدر جعفری، لاڑکانہ

* سلام اس رسالے کو کرتا ہوں جو ہماری تحریریں شائع کیے بغیر ہر ماہ اپنے خوب صورت ٹائیٹل کے ساتھ رونما ہوتا ہے۔ عبدالمجید لوہار واڈا، کراچی

* مئی کا نونہال اچھا لگا۔ اس مرتبہ "دو مسافر دو ملک" نہیں دیا گیا۔ ادھوری کہانی کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا جائے۔ اس بار ہمدرد نونہال مشاعرہ پڑھنے کو ملا۔ میرے خیال میں یہ مشاعرہ پورا نہیں تھا۔
محمد سلیم بھٹی، سکھر

* یقین کیجیے مئی کا نونہال پڑھ کر میرا دل باغ باغ ہو گیا۔ اتنا اچھا رسالہ میں نے آج تک نہیں پڑھا۔ ایم افتخار شیخ برکی، لاہور

* جاگو جگاؤ کی باتیں دل میں اتر گئیں۔ بچوں کا مشاعرہ دل چسپ تھا۔ نبیلہ عبداللہ بلوچ، اسلام آباد

* تخوں نے ہمیشہ کی طرح خوب صورت موتی بکھیرے اور "جاگو جگاؤ" نے نونہالوں کو خوب صورت باتوں سے مزین کیا۔ "نونہال مشاعرہ" نے تو رسالے میں گویا چار چاند لگا دیے۔ ثروت رحمن، عفت رحمن، بشریٰ رحمن، شازیہ، محمد سیف الرحمن، کراچی

* حکیم محمد سعید کے جاگو جگاؤ کا ایک ایک جملہ حقیقت اور اثر انگیز باتوں پر مشتمل تھا۔ واقعی ہمیں پاکستان کی دل و جان سے خدمت کرنی چاہیے۔ یہ ملک ہم کو بڑی محنت اور جدوجہد کے بعد ملا ہے۔ میری عمر ۱۲ سال ہے۔ جو سوال آپ معلومات عامہ میں دیتے ہیں وہ سب سوال مجھے آتے ہیں، لیکن میں اس لیے حل نہیں کرتا کہ میری عمر ۱۴ سال ہے۔ ملک کریم بخش اعوان، ہری پور ہزارہ

آپ معلومات عامہ کے جواب ضرور بھیجا کریں۔ دس سال عمر کی پابندی صرف صحت مند نونہال کی تصویروں کے لیے ہے۔ اگر جوابات صحیح ہوں گے تو ضرور شائع کیے جائیں گے۔

* کہانیوں میں جس کا جوتا اسی کا سر، تمہاری چال ہے اسنر ٹھنی اور انوکھے کھیل بے حد پسند آئیں۔ نظموں میں تعارف اور امانت پسند آئیں اور اس دفعہ تو نونہال ادیبوں نے بھی بڑی محنت کی تھی۔ عاشق حسین شہزاد، کمالیہ

* ہمدرد نونہال ہر عمر کے بچے کے لیے تفریحی اور معلوماتی رسالہ ہے۔ جاگو جگاؤ کے بعد خیال کے پھول میں اقوال پڑھے۔ خاص طور پر حضرت عمر فاروقؓ اور شیخ سعدیؒ کے اقوال نصیحت آموز تھے خوش کلامی اور خوش اخلاقی کے بارے میں یہ حدیث بھی ہے کہ تم میں سب سے بہترین وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں۔ سائنسی سوالوں کے جوابات

بڑے ہی معلوماتی تھے۔ ہمدرد مشاعرہ بڑا ہی شان دار رہا۔ موضوع کے اعتبار سے نونہالوں نے بڑے عمدہ خیالات پیش کیے۔ زہرا محمد یونس، امینہ محمد یونس، محمد عارف یونس، محمد فیصل یونس، محمد منیر یونس، محمد امین یونس، کراچی

* مضامین میں سائنسی سوال و جواب بہت اچھے رہے۔ اس کے علاوہ جاگو جگاؤ، سبز ٹہنی، انوکھے کھیل بہت اچھی تھیں۔ ان مضامین کے علاوہ جو کہانیاں تھیں وہ کوئی خاص نہ تھیں۔ لطیفے بھی پرانے تھے۔

صالحہ حسن، کراچی

* عارف پہ کیا گزری کی آخری قسط بہت شان دار تھی، لیکن آپ نے یہ اعلان نہیں کیا کہ اس کی جگہ کون سی نئی کہانی شروع کی جائے گی۔

بشیر احمد قادری، پنڈی گھیب

جلد ہی نئی اور عمدہ قسط وار کہانی شائع کی جا رہی ہے۔

* کارٹون رنگین دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور ستے بھی وہ بہت ہی دل چسپ بس مزہ ہی تو آ گیا۔ مسکراتے رہو کے چند لطیفے اچھے تھے، باقی تمام لطیفے پرانے تھے۔ ہمدرد نونہال مشاعرے پر نظر پڑی۔ میں نے سب نظمیں اپنی بیاض میں نوٹ کر لی ہیں۔ میں لاہور کے ایک ٹاؤن شاہدرہ میں رہتا ہوں کیا میں اپنے اس شہر کا تعارف بھجوا سکتا ہوں؟

محمد سجاد اصغر آرزو، شاہدرہ لاہور

بے شک، شاہدرہ کا مزے دار تعارف لکھ کر بھجوا دیجیے۔

* حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ پڑھ کر وطن پاکستان سے محبت کا ایک نیا جذبہ پیدا ہوا۔ سید ذوالفقار حسین نقوی، کراچی

* رسالے میں جاگو جگاؤ کے علاوہ کوئی خاص چیز نہیں تھی۔ کہانیوں میں چور پر مور اچھی تھی۔ انکل کیا معلومات عامہ کے جوابات کے ساتھ ہر مرتبہ تصویر بھیجنی ضروری ہے یا صرف ایک مرتبہ بھیج دی جائے۔ مضمون کے ساتھ الگ تصویر بھیجی جائے یا پھر معلومات عامہ کے جوابات اور مضمون کے ساتھ ایک ہی تصویر بھیج دی جائے۔

اشعر کمال پاشا، کراچی

ہاں بھئی، تصویر تو ہر شعبے کے لیے الگ الگ ہی چاہیے۔

* لطیفے بھی اچھے تھے۔ معلومات عامہ کے سوال بہت مشکل تھے۔ پھر بھی یہ رسالہ پاکستان میں نمبر ا ہے۔ محمد ایاز، کراچی

* جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح نصیحت آموز تھا۔ پہلی بات غائب تھا۔ کہانیاں تمام اچھی تھیں۔ جناب علی اسد، جناب معراج کی کہانیاں ہمیشہ کی طرح سب سے اچھی اور منفرد تھیں۔

عبد الغنی ثاقب، کراچی

* ہمدرد نونہال کا پھول جیسا شمارہ پڑھا۔ کھولا تو کہانیوں، نظموں، لطیفوں اور دوسری چیزوں کی خوش بو آئی۔ ہم اس مشکل میں پڑ گئے کہ کون سی کہانی یا تحریر پہلے پڑھیں اور کون سی بعد میں۔

عبد الودود گوہر، کراچی

* اس کی کہانیاں چھوٹی چھوٹی اور سبق آموز ہوتی ہیں۔ اس شمارہ میں سب سے پہلے جاگو جگاؤ حکیم محمد سعید کی بہت پسند آئی اور خیال کے پھول بھی بہت پسند آئے۔ جاوید محبوب، کراچی

* حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ، جس کا جوتا اُسی کا سر، نونہال ادیب چور پر مور بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ لطیفے بھی خوب رہے۔

شبیر حسین صدیقی، شکارپور

* رسالہ ترقی کی منزل کو چھو رہا ہے۔ یہ رسالہ مجھے بے حد پسند ہے اور میں ہر مہینے اسے شوق سے پڑھتا ہوں۔ مجھے آپ سے ایک شکایت ہے اور وہ یہ کہ میری بنائی ہوئی تصویر کبھی نونہال میں شائع نہیں کرتے۔ آپ میرے خط کا جواب بھی نہیں دیتے شاید اس لیے کہ اب میری لکھائی بدل گئی ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے میں خط اپنے بھائی سے لکھواتا تھا، کیوں کہ میری لکھائی زیادہ اچھی نہ تھی۔ اگر میں سرورق کے لیے اپنی بہن کی (عمر ۳ سال) رنگین بڑے سائز کی تصویر بھیجوں تو کیا شائع ہو جائے گی۔ اس دفعہ رسالہ بہت دل چسپ اور معلوماتی تھا۔ کہانی سبز ٹہنی بہت پسند آئی۔ سکندر علی، اورنگی ٹاؤن

* کہانیوں میں جس کا جوتا اُسی کا سر اور چور پر مور بہت پسند آئی۔ سید شبیر احمد کی کہانی مُلّاجی کی سائکل پچاس پیسے والی چھوٹی کہانیوں میں سے نقل کر کے لکھی گئی تھی۔ توصیف الحق، کراچی

سید شبیر عامر نقل کر کے ایک سال کے لیے چھپنے سے محروم ہوئے۔

* ہمدرد نونہال کو دیکھ کر جو خوشی ہوتی ہے اس کا آپ اندازہ نہیں لگا سکتے۔ کامران فخر، ہری پور

* میں تقریباً دو تین سال سے اس کا باقاعدگی سے مطالعہ کر

رہا ہوں اور سچ پوچھیے تو ہمدرد نونہال کو تمام دوسرے رسالوں میں ایک منفرد مقام حاصل ہے اور بچّوں سے متعلق تمام دل چسپیاں اس میں موجود ہیں۔ خاص کر مجھے ۲ مسافر ۲ ملک، خیال کے پھول، جاگو جگاؤ، اور پہلی بات بہت پسند ہے۔ اور اس دفعہ بچّوں کا مشاعرہ بہت پسند آیا اور اس سے اندازہ ہوا کہ ہمارے ملک میں ذہین بچّوں کی کوئی کمی نہیں۔
شکر لال آدھیوال، کراچی

* اس بار کہانیوں کا انتخاب خوب تھا۔ جاگو جگاؤ بہت پسند آیا۔
فاروق ندیم رحمانی، میاں چنوں

* نونہال کی ہر چیز اپنی جگہ لاجواب تھی، لیکن ذرا آعادیر پر توجہ کی ضرورت ہے۔ سبق آموز جاگو جگاؤ بہترین تھا۔ خیال کے پھول نصیحت آموز تھے۔
ظہیر حسن، حیدر آباد سندھ

* سرورق بے حد خوب صورت تھا۔ حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ خوب صورت اور سبق آموز تھا۔ اس کو پڑھ کر تمام باتیں دل میں اُترتی چلی گئیں۔ جاگو جگاؤ کو میں باقاعدگی سے سب سے پہلے پڑھتا ہوں۔
اورنگ زیب علی پاشا، کراچی

* اس کے باقاعدہ سلسلوں میں مجھے جاگو جگاؤ اور تحفے بہت پسند ہیں۔ عارف پہ کیا گزری ایک دل چسپ ناول تھا۔ برائے مہربانی اس کی جگہ پر کوئی اور دل چسپ ناول شروع کر دیجیے۔
احمد مجتبیٰ، سیالکوٹ

* آپ نے ایک دفعہ "اس مہینے کا کھلاڑی" کا مختصر حال لکھ کر یہ سلسلہ بند کر دیا ہے۔ گزارش ہے کہ یہ سلسلہ جلد شروع کریں۔ نونہال کو پندرہ روزہ کر دیں یا صفحات بڑھا دیں۔
مہر رب نواز لک، لونگ جھیل

* مجھے نونہال بے حد پسند ہے اور خاص طور پر تحفے مجھے بے حد پسند ہیں۔ اگر آپ اس میں ذہین بچّوں سے انٹرویو کا سلسلہ شروع کر دیں تو بہتر ہوگا۔
زیبا صبوحی، کراچی

ان نونہالوں کے نام جنھوں نے ہمیں بہت اچھے اچھے خط لکھے، لیکن جگہ کی کمی کے باعث اُن کے صرف نام دیے جا رہے ہیں:۔

کراچی:۔ احمد رضا خان، سیدہ زینب راضیہ زیدی، عظمیٰ صدیقی، نور بانو، اظفر قریشی، محمد طیب، گل خان نیازی، محمد اکبر خان خٹک، شائستہ نازش قادری، محمد عظیم، محمد مستقیم، نوازش علی، سید امتیاز علی زیدی، محمد اجمل خان، شہباز احمد ہاشمی، رافعہ حسین، تنظیم فاطمہ، سعدیہ ارم، کوثر نصیب خان، ارم نصیب خان، بابر نصیب خان، نزہت افشاں، محمد تنویر شعیب، عاصمہ حفیظ علوی، محمد عمران الحق، کوثر اسحاق قریشی، سید محمد جنید عالم، محمد علی، شگفتہ سرور، علی محمد، ہوامہ کریم، کلثوم، محمد ماجد، رانا احسان سہیل، عابدہ بشیر خان، عمران قادر، فوزیہ، شازیہ، رسیلہ، محمد اسلم یاسین، شہناز فاطمہ، محمد عابد قمر، محمد عادل قمر، رفیق احمد بونیری، کشور ناہید، سید طاہر عزیز، علی محمد آرائیں، مظاہر علی خان، محمد عارف، محمد زاہد، حیدر علی، اکبر علی، فرحین گل، ثمینہ اقبال، ارسلا خان، رضی الدین خان، محمد انور، عدنان احمد، منیر حسین، تنویر احمد، محمد ایاز جاوید، محمد اکمل خان، وقار الحسن نیازی، محمد حنیف صلاح الدین احمد کامران، کامران حفیظ علوی، راحت صلاح الدین، گل ضمیر، محمد ارشاد ندیم قاسمی، اظہر حسین خان، آصف علی، فوزیہ جیلانی قریشی، رفیہ سردار اعوان، سید کاظم رضا رضوی۔

حیدر آباد:۔ محمد ایوب، مصباح النور، رضیہ سلطانہ۔ دربند کالونی:۔ محمد خالد، تنویر احمد، غلام مصطفےٰ، عصمت خان، منیر احمد، سجاد احمد۔ بہاول نگر:۔ محمد عمر فاروقی، مختار احمد۔ ہارون آباد:۔ محمد یوسف وٹو۔ نواب شاہ:۔ اعجاز احمد، سمیرہ جعفری، عنبر قیوم، حبیب الرحمٰن سیال اختر۔ فیصل آباد:۔ راجا عبد الحئی بٹ، شمائلہ ناز ملک۔ پیپلان:۔ سعید احمد شاہین، سیف اللہ خالد، محمد فاروق شہزاد، نسیم حنیف شاہین، جاوید اقبال ساجد۔ سکھر:۔ محمد منشا، شاہینہ جبیں، محمد علی شاہین۔ مظفر گڑھ:۔ نبی بخش گشکوری۔ ہری پور ہزارہ:۔ عنایت اللہ وسیم سیمی۔ ڈیرہ غازی خان:۔ محمد شبیر۔ شکارپور:۔ شاہد مصطفےٰ شیخ۔ لاڑکانہ:۔ سلیم الیاس۔ شورکوٹ کینٹ:۔ مظہر انصاری۔ کوٹ خادم علی شاہ:۔ سید شمشاد علی حیدر۔ شاہ پور چاکر:۔ آصف عرفان۔ بلی ٹکور:۔ لعل بخش آزاد۔ منگورہ سوات:۔ فضل ربی راہی۔ جیوانی مکران:۔ محمد طیب شاکر۔ شادی پلی:۔ طارق محمود بھٹی واپاری۔ جھنگ شہر:۔ محمد یونس۔ شکارپور:۔ خالد عبد اللہ خان چاچڑ۔ کھلابٹ ٹاؤن شپ:۔ عزیز احمد اعوان۔ آف نرہا بالا:۔ محمد ساجد۔ کوئٹہ:۔ فضل احمد فولادی۔ ضلع تھرپارکر:۔ ایم عبد الرحیم مغل۔ لاہور:۔ ظہیر حسن۔

لحمیات (پروٹینز) کے وجود سے روئے زمین
پر حیات ممکن ہوئی!
حیات انسانی اور صحتِ جسمانی کے لئے لحمیات (پروٹینز) خوراک کا ناگزیر حصہ ہیں۔
انسان کی انفرادیت و شخصیت اور اعمال و وظائف کی تکمیل اور
خیالات کی توانائی لحمیات کے بغیر ممکن نہیں۔ لحمینا چنیدہ جڑی بوٹیوں،
پروٹینز، کاربوہائیڈریٹس اور دیگر غذائی اجزا کا ایک متوازن مرکب ہے۔
روزانہ کے تھکا دینے والے کام جب جسم انسانی کے کل پرزوں کو کمزور
کر دیتے ہیں، تو وہ صرف پروٹینز سے دوبارہ نشو و نما حاصل کرتے ہیں۔
لحمینا بجا طور پر جسم انسانی کے لئے ایک مفید اور قابلِ اعتماد
غذائی معاون ہے۔
لحمینا کا روزمرہ باقاعدگی سے استعمال جسم انسانی کی نشو و نما کو
برقرار رکھتا ہے اور جسم میں توانائی پیدا کرتا ہے۔
خاندان کے ہر فرد کے لئے ایک مکمل غذائی ٹانک
لحمینا - برائے اسٹیمنا
Lahmina
ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں
احسان کا بدلہ نہ ادا کر سکو تو شکریہ ادا کرو۔
Adarts LA-1/81

معلومات عامّہ ۲۱۷ کے صحیح جوابات

ہمدرد نونہال کی مقبولیت میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا جا رہا ہے معلوماتِ عامّہ کے جوابات اور تصویریں بھیجنے والوں کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ ہم سے بعض نونہالوں نے شکایت کی ہے کہ ہماری تصویریں کیوں شائع نہیں کی گئیں، جب کہ ہمارے تمام جوابات درست تھے۔ بات یہ ہے جن کی عمر اچھی ہو گئی ہے یا وہ اپنی عمدہ صحت کی وجہ سے ماشاءاللہ جوان معلوم ہوتے ہیں ان کی تصویریں نونہالوں کے ساتھ کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ اس لیے ہم ذرا تامّل کرتے ہیں۔ ویسے بھی اصل چیز تو نام ہے۔ نام بہت بڑا انعام۔ معلوماتِ عامّہ ۲۱۷ کے صحیح جوابات یہ ہیں۔

۱ ۔ خلفائے راشدین میں سے سب سے زیادہ عمر حضرت عثمان غنیؓ نے پائی۔ آپؓ بیاسی سال تک حیات رہے۔

۲ ۔ حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کے آبائی گاؤں کا نام ہالہ حویلی ہے۔

۳ ۔ جاپان کے اس پہاڑ کا نام جس کی سب سے زیادہ تصویریں بنائی گئیں فیوجی یاما ہے۔

۴ ۔ بلّی کی اوسط عمر دس سے بارہ سال ہوتی ہے۔

۵ ۔ دنیا کی سب سے بلند آبشار وینے زویلا میں ہے جو ۳۲۸۱ فیٹ بلند ہے۔

۶ ۔ اگر ساڑھے چھے میٹر کپڑا چھبیس رُپے کا آئے گا تو ساڑھے تین میٹر کپڑا چودہ رُپے کا آئے گا۔

۷ ۔ سری لنکا میں بُدھ مت کے ماننے والوں کی اکثریت ہے۔

۸ ۔ برِّاعظم شمالی امریکا میں سب سے پہلے تمباکو بوئی گئی۔

۹ ۔ "اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی" وہ محاورہ ہے جس میں دو مرتبہ لفظ اونٹ آیا ہے۔

۱۰ ۔ لفظ "کبڈی" "مونّث" ہے۔

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

آفتاب احمد خان
عبدالعظیم انصاری
عبدالرشید اسمٰعیل
ثروت صلاح الدین
طاہرہ مقبول موسوی
ذوالفقار مقبول موسوی
طیبہ مقبول موسوی
مشتاق رحمت اللہ
شہلا جبین
پرویز احمد
کامران حفیظ علوی

عاصمہ حفیظ علوی
شبانہ پروین
سلیم انور عباسی
نوازش علی
مُنیر حسین
محمد امین سیف الملوک، سانگھڑ
عاجز عبدالرحمٰن رند، سانگھڑ
محمد فیصل میمن، میرپورخاص
لیاقت علی، میرپورخاص
فدا حسین بلوچ، میرپورخاص
محمد حسن بلوچ، میرپورخاص
فیض محمد بلوچ، میرپورخاص

زمل محبوب، میرپورخاص
محمد جاوید، میرپورخاص
محمد جاوید رمضان، میرپورخاص
اصغر خان، میرپورخاص
ندیم لیاقت، میرپورخاص
محمد سلیم نیاز محمد، میرپورخاص
غلام رسول، میرپورخاص
ساجد علی، میرپورخاص
سعید، میرپورخاص
افتخار حسین، میرپورخاص
عبدالستار خان قادری، میرپورخاص
کلثوم بانو، میرپورخاص

عبدالوحید، میرپورخاص
محمد یونس بلوچ، میرپورخاص
محمد سلیم، میرپورخاص
فتح محمد، میرپورخاص
ندیم خورشید احمد، میرپورخاص
مشتاق احمد، میرپورخاص
محمد شکیل، میرپورخاص
اللہ بخش بلوچ، میرپورخاص
محمد اعظم، میرپورخاص
محمد ساجد، ملک وال
علی عمران جان، فیصل آباد
مسرور احمد، خیرپور میرس

دس صحیح جواب بھیجنے والوں کی تصاویر

اویس احمد قدوائی، کراچی — نشاط انور، کراچی — سید تیمور احمد، کراچی

اشعر کمال پاشا، کراچی — ایس۔ ایم شکیل، کراچی — محمد سلیم خیرالدین، اسلام آباد

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

محمد انور
زبیر ظفر خان
نادرہ مجید
سمعیہ انور شیخ
میمونہ بزمی
یاسمین رضا
نازیہ حاجی رمضان
محمد محبوب الرحمٰن
شاہد اقبال شاہد
عظمیٰ اقبال
صنوبر اقبال
نازیہ ممتاز
محمد عمران خان
محمد عارف اقبال انصاری
نصرت
طیب شاہ
سید فیصل علی
اظہر ایوب
کامران ایوب
مریم ذوالفقار
صبور منصور ظفر
زہرا محمد یونس
نادر محمد
محمد اسرار
کامران سلیم
قاضی شکیل احمد
سید شعیب
ظفر ایوب
محمد اسرار
جمال قادر
محمد امجد شمیم
سید رفعت علی
آصف علی رانا
احمد رضا خان
ایس اظہر جاوید جعفری
سید مظہر علی جعفری
سیدہ زینب راضیہ زیدی
محمد احمد صدیقی
محمد نجم الزماں
محمد انتصار الدین احمد
فہیم نبی خان
محمد عاطف مختار

سکھر

جنید مبارک آرائیں
تاج الدین
اویس مبارک آرائیں
شفاء الحسن انصاری
نوید اختر جعفری

ٹنڈو محمد خان

فرمان اللہ خان
رحمٰن اللہ خان بہرام

حیدر آباد

غلام مرتضیٰ
رضوانہ خان بھٹی
ساجد سعید

مختلف شہروں سے

محمد منصور حیات، اسلام آباد
ریحانہ زیدی، ٹنڈو آدم
محمد عمران ظہور، ساہی وال
حفیظ الرحمٰن شیخ، روہڑی
مسعود میر خان، خیر پور میرس
امجد حسین علوی، سیدو شریف سوات
سید ذوالفقار حیدر جعفر، لاڑکانہ
محمد احمد نعمان، اٹک
راجا تحسین یونس، تربیلا ٹاؤن شپ

---

* دنیا میں سب سے زیادہ مدت تک کان کنی کا پیشہ اختیار کرنے والا شخص جارج اِسٹیفنسن تھا۔ وہ ۲۱۔ اپریل ۱۸۳۳ء کو ولیم پٹ نامی مقام میں پیدا ہوا۔ ۱۸۴۰ء میں اس نے ۷ سال کی عمر سے کان کنی کا پیشہ اختیار کیا اور مسلسل ۸۲ سال تک اس پیشے سے وابستہ رہا۔ وہ ۱۹۲۲ء میں رِٹائر ہوا اور ۱۸۔ مارچ ۱۹۲۶ء کو اس کا ۹۲ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔